نحن نقص علیک احسن القصص

احسن القصص



حضرت یوسف علیہ السلام

کا وہ تاریخی قصہ جس میں ہر صاحب خرد انسان کے لئے عبرتوں اور نصیحتوں
کا بیش بہا خزانہ اور سفر زندگی کے لئے ایسے سبق پوشیدہ ہیں جن پہ
عمل کرنے سے دنیا اور آخرت کی کامرانیاں حاصل ہوتی ہیں

تالیف
مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ

اَحۡسَنُ الۡقَصَصِ

حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ تاریخی قصہ جس میں ہر صاحب خرد انسان کے لیے عبرتوں اور نصیحتوں کا بیش بہا خزانہ اور سفرِ زندگی کے لیے ایسے سبق پوشیدہ ہیں جن پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت کی کامرانیاں حاصل ہوتی ہیں۔

تالیف

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

مکتبہ حلیمیہ

سائٹ، کراچی 75700 برائے رابطہ: 021-32562424

نام کتاب............................احسن القصص

تالیف............................مولانا محمد اسلم شیخوپوری

کمپوزر............................منور علی مبارک

صفحات............................۱۷۶

تعداد............................۱۱۰۰

ناشر............................مکتبہ حلیمیہ سائٹ کراچی ۷۵۷۰۰

﴿ملنے کے پتے﴾

اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
نعمانی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
مکتبہ سید احمد شہید، الکریم مارکیٹ لاہور
مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

چند معروضات

19، 20 سال تک مختلف مدارس میں تدریس کے بعد جب بندۂ ناچیز نے بعض اعذار کی بناء پر مسندِ درس کو خیر آباد کہا تو یہ خیال پریشان کرتا رہا کہ میں دنیا کی بھول بھلیوں میں کھو کر علومِ عالیہ سے محروم نہ ہو جاؤں، طویل غور وفکر کے بعد میں نے عربی اور اردو کی بعض قدیم اور جدید تفسیروں کی مدد سے قرآنِ کریم کی تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا۔ "تسہیل البیان" کے نام سے لکھی جانے والی اس تفسیر کی اب تک تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سوا دس پارے مکمل ہوئے ہیں، چوتھی جلد میں سورۂ یونس سے سورۂ حجر تک چھ سورتیں شامل ہیں اور یہ ان شاء اللہ عنقریب منظرِ عام پر آ رہی ہے۔

چونکہ سورۂ یوسف کو ہر زمانے کے مفسرین نے خصوصی اہمیت دی ہے اور کئی ایک نے مستقل کتاب کی صورت میں الگ سے شائع کیا ہے، خود قرآن نے بھی اسے "احسن القصص" قرار دے کر مسلمانوں کو گہری نظر سے اس کے مطالعہ کی دعوت دی ہے تا کہ ان پر اس کے "احسن القصص" ہونے کا راز کھل سکے اسی لیے مذکورہ چھ سورتوں میں سے سورۂ یوسف کو الگ شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا، اس فیصلہ میں اس سورت کی ذاتی خصوصیات کے علاوہ "تسہیل البیان" کے اسلوب کا تعارف بھی مقصود ہے۔ وہ حضرات جو ابھی تک اس کا مطالعہ نہیں کر سکے، وہ سورۂ یوسف کے مطالعہ سے جان سکیں گے کہ ہم نے پورے قرآن کی تفسیر میں کس قسم کا انداز اختیار کیا ہے، اختصار کے ساتھ یہ سمجھ لیں کہ "تسہیل البیان" میں سات چیزوں کا لحاظ رکھا گیا ہے:

1- ہر سورت کے آغاز میں اس کے مضامین کا خلاصہ دیا گیا ہے، سارے خلاصے

ہماری کتاب ''خلاصۃ القرآن'' سے ماخوذ ہیں۔

2- ایک یا چند آیات پر کوئی نہ کوئی عنوان قائم کیا گیا ہے اس لیے اسے موضوعاتی تفسیر بھی کہا جاسکتا ہے۔

3- خود ترجمہ کرنے کے بجائے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ترجمہ دیا گیا ہے جو کہ حقیقت میں شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے، جسے برِصغیر کے علماء تمام تراجم میں سے سب سے مستند ترجمہ قرار دیتے ہیں۔

4- ''تسہیل'' کے عنوان سے اسی ترجمہ کی تسہیل کی گئی ہے، اس تسہیل کو ''مختصر تفسیر'' یا ''ترجمہ مطوّل'' کہنا مناسب ہوگا۔

5- جہاں ضرورت محسوس کی گئی وہاں آیات اور سورتوں کے درمیان ربط بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

6- ترجمہ اور تسہیل کے بعد کتاب وسنت اور مستند آثار واقوال کی روشنی میں تفسیر کی گئی ہے۔

7- آخر میں حکمت وہدات کے عنوان سے وہ بصائر، مسائل واحکام اور ہدایات اور نصیحتیں بیان کی گئی ہیں، جو زیرِ تفسیر آیات سے حاصل ہوتی ہیں اور یہی عنوان حقیقت میں اس تفسیر کو دوسری تفاسیر سے ممتاز کرتا ہے۔

کسی بھی حکمت وہدایت کے سامنے جو نمبر دیا گیا ہے، اس سے وہ آیت مراد ہے جس سے یہ ماخوذ ہے۔ ہر ضروری بات کا حوالہ دیا گیا ہے، متعدد مواقع پر اصل عبارت بھی دی گئی ہے، ان عبارات کا مطالعہ طالبِ علم کے لیے اس تفسیر کے حقیقی مراجع سے استفادہ آسان کردے گا۔

وہ تمام علماء، مدرسین اور عوام، جن کے ہاتھوں میں یہ تفسیر یا "احسن القصص" پہنچے، ان سے درخواست ہے کہ وہ اس کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی رائے سے تحریری طور پر آگاہ فرمائیں، ان شاء اللہ صاحبِ علم قارئین کے مشوروں اور آراء سے آنے والی جلدوں میں فائدہ اٹھایا جائے گا اور حصولِ سعادت اور اشاعتِ ہدایت کی نیت سے لکھی جانے والی اس تالیف کو بہتر سے بہتر بنانے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔

محتاجِ دعا
محمد اسلم شیخوپوری
جامع مسجد توابین، سیکٹر X6
گلشن معمار کراچی

سورۂ یوسف کے اہم مضامین

سورۂ یوسف مکّی ہے، اس میں ۱۱۱ آیات اور ۱۲ رکوع ہیں، چونکہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے، اس لیے اسے سورۂ یوسف کا نام دیا گیا۔

قرآنِ کریم میں دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات میں تکرار پایا جاتا ہے، لیکن یہ تکرار کھٹکتا نہیں ہے، ہر جگہ نئے الفاظ، نئی تعبیر، کوئی نہ کوئی نیا سبق، نئی عبرت اور نئی نصیحت پائی جاتی ہے۔

یہ واقعات چھوٹے چھوٹے خوبصورت ٹکڑوں کی صورت میں پورے قرآن میں بکھرے ہوئے ہیں، ان ٹکڑوں کو جوڑنے سے پورا واقعہ سمجھ میں آتا ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں تکرار نہیں، یہ واقعہ اول سے آخر تک پورے کا پورا سورۂ یوسف ہی میں مذکور ہے، دوسری سورتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کا نام تو آیا ہے لیکن ان کے واقعہ کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی کسی دوسری سورت میں مذکور نہیں ہے، اہلِ علم نے کہا ہے کہ مخالفین نہ تو قرآن کے ''مکرر'' قصوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی ''غیر مکرر'' قصوں کا، حضرت یوسف علیہ السلام کے قصّے کو خو قرآن نے ''احسن القصص'' قرار دیا ہے کیونکہ اس قصّے میں جتنی عبرتیں اور نصیحتیں پائی جاتی ہیں، وہ شاید ہی کسی دوسرے قصّے میں پائی جاتی ہوں، جامعیت کے اعتبار سے دیکھیں تو اس میں دین بھی ہے دنیا بھی، توحید وفقہ بھی ہے اور سیرت وسوانح بھی، خوابوں کی تعبیر بھی ہے اور سیاست وحکومت کے رموز بھی، انسانی نفسیات بھی ہیں اور معاشی خوشحالی کی تدبیریں بھی، حسن وعشق کی حشر سامانی بھی ہے اور زہد وتقوٰی کی دستگیری بھی، اس میں انبیاء اور صالحین کا تذکرہ بھی ہے اور ملائکہ اور شیاطین کا بھی، نبیوں اور ولیوں کا بھی تو چوپاؤں اور پرندوں کا بھی، بادشاہوں، تاجروں، عالموں اور جاہلوں کے حالات بھی ہیں تو راہِ راست سے ہٹ جانے والی عورتوں کی حیلہ

سازی، مکاری اور حیاباختگی بھی، پھر اس قصہ میں مدّ بھی ہے جزر بھی، گمنامی بھی ہے اور شہرت بھی، غربت بھی ہے اور ثروت بھی، عزت بھی ہے اور ذلت بھی، صبر و ثبات بھی ہے اور بندگیِ شہوت بھی۔

ایک بڑی خوبی جو اس قصہ میں پائی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس قصے کے ضمن میں حضورِ اکرم ﷺ اور ان کے مخالفین کے حال اور مستقبل کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے، یوسف علیہ السلام کی طرح ہمارے آقا ﷺ کے ساتھ بھی قریشی بھائیوں نے حسد کیا، قتل کے مشورے کیئے، آپ کو مکہ چھوڑنا پڑا، تین دن تک غارِ ثور میں روپوش ہونا پڑا، وہاں سے مدینہ ہجرت فرما گئے، وہاں بتدریج آپ کو عروج حاصل ہوا یہاں تک کہ آپ پہلی اسلامی مملکت کے سربراہ بن گئے، مکہ فتح ہوا تو قریشی بھائی نادم و شرمندہ ہوئے، انہیں آپ کے سامنے سرافگندہ ہونا پڑا، اسے حسنِ اتفاق کہیئے یا عمداً اور قصداً کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا:

”میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی، جاؤ تم آزاد ہو، تم پر کوئی الزام نہیں۔“

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ اس قدر مشہور ہے کہ حقیقی مسلمان گھرانوں کے بچوں تک کو ازبر ہے، اس لیے اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اجمالی طور پر ہم اسے بیان کر کے ان بصائر و عبر کو بیان کرنے پر خصوصی توجہ دیں گے جو اس قصہ سے ہم کو حاصل ہوتی ہیں، چونکہ سورۂ یوسف بارھویں اور تیرھویں دونوں پاروں میں آئی ہے اور قصہ تسلسل کے ساتھ بیان ہوا ہے، اس لیے ہم اس تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے پہلے پورے قصے کا خلاصہ بیان کرتے ہیں اور پھر عبرتوں اور نصیحتوں کو بیان کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام ان میں سے غیر معمولی طور پر حسین تھے، ان کی سیرت اور صورت دونوں کے حسن کی وجہ سے والدِ گرامی قدر ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے، محبت کی ایک وجہ آپ کا اور آپ کے بھائی بنیامین

کا سب سے چھوٹا ہونا بھی تھا جبکہ دونوں کی والدہ بھی انتقال کر چکی تھیں، چھوٹے بچے سے محبت انسان کی فطرت ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو اپنے بچوں میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

''چھوٹے سے جب تک کہ وہ بڑا نہ ہو جائے، غائب سے جب تک کہ وہ واپس نہ آ جائے اور بیمار سے جب تک کہ وہ تندرست نہ ہو جائے۔''

سیدنا یوسف علیہ السلام سے والد کی اس محبت کی وجہ سے بھائی حسد میں مبتلا ہو گئے، وہ اپنے والد کو تفریح کا کہہ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل میں لے گئے اور آپ کو کنویں میں گرا دیا، وہاں سے ایک قافلہ گزرا، انہوں نے پانی نکالنے کے لیے کنویں میں ڈول ڈالا تو اندر سے آپ نکل آئے، قافلہ والوں نے مصر جا کر بیچ دیا، عزیزِ مصر نے خرید کر اپنے گھر میں رکھ لیا، جوان ہوئے تو اس کی بیوی آپ پر فریفتہ ہو گئی، اس نے بُرائی کی دعوت دی، آپ نے اس کی دعوت ٹھکرا دی، عزیزِ مصر نے بدنامی سے بچنے کے لیے آپ کو جیل میں ڈلوا دیا، قید خانے میں بھی آپ نے دعوتِ توحید کا سلسلہ جاری رکھا جس کی وجہ سے قیدی آپ کی عزت کرتے تھے، بادشاہِ وقت کے خواب کی صحیح تدبیر بتانے کی وجہ سے آپ اس کی نظروں میں جچ گئے، اس نے آپ کو خزانے، تجارت اور مملکت کا خود مختار وزیر بنا دیا، مصر اور گرد و پیش میں قحط کی وجہ سے آپ کے بھائی غلہ حاصل کرنے کے لیے مصر آئے، ایک دو ملاقاتوں کے بعد آپ نے انہیں بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں، پھر آپ کے والدین بھی مصر آ گئے اور سب یہیں آ کر آباد ہو گئے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ اجمالی طور پر عرض کیا جا چکا ہے، اب اس قصہ سے جو نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں وہ عرض کی جاتی ہیں، لیکن یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان عبرتوں اور نصیحتوں کا تعلق اس قصہ کے صرف اس حصہ سے نہیں ہے جو تیرھویں پارہ میں آیا ہے بلکہ مجموعی طور پر پورے واقعے سے جو بصائر و عبر حاصل ہوتے ہیں وہ ذیل میں بالترتیب لکھے جا رہے ہیں:

﴿۱﴾......بعض اوقات مصیبت، نعمت اور راحت تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی ابتداء تو المناک پریشانیوں سے ہوئی، انہیں کنویں میں بے یار و مددگار ڈال دیا گیا، مصر میں غلاموں کی منڈی میں ان کی خرید و فروخت ہوئی، عورتوں کے فتنہ کا سامنا کرنا پڑا، کئی سال تک جیل کی کال کوٹھڑی میں بند رہے، لیکن انجام یہ ہوا کہ وہ مصر کے حکمران بنے اور انہیں دینی اور دنیاوی عزت نصیب ہوئی۔

﴿۲﴾......حسد انتہائی خوفناک بیماری ہے، سگے بھائیوں میں بھی یہ بیماری پیدا ہو جائے تو افسوسناک واقعات جنم لیتے ہیں۔

﴿۳﴾......اچھے اخلاق، اعلیٰ اوصاف اور بہتر تربیت بہرحال اپنا رنگ دکھا کر رہتی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کی تربیت ایک عظیم باپ کے ہاتھوں خاندانِ نبوت میں ہوئی تھی اور آباء و اجداد کی اخلاقی میراث میں سے بھی آپ نے وافر حصہ پایا تھا، مثالی تربیت اور اخلاقی کمال ہی کی وجہ سے آپ مصائب و شدائد کے سامنے بڑی پامردی سے کھڑے رہے جس کی وجہ سے کلفت کے بعد راحت کا اور ظاہری ذلت کے بعد حقیقی عزت کا دور آ کر رہا۔

﴿۴﴾......عفت و امانت اور استقامت ساری بھلائیوں کا سرچشمہ ہے، مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی، یونہی دین پر جمے رہنے والوں کو ایک نہ ایک دن عزت اور احترام حاصل ہو کر رہتا ہے اور حقیقت اور حق کو جتنا بھی چھپایا جائے، بالآخر وہ ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔

﴿۵﴾......مرد اور عورت کا اختلاط اور خلوت میں میل جول فتنہ کا باعث ہوتا ہے، نہ زلیخا کو خلوت میسر آتی اور نہ ہی وہ بُرائی کی منصوبہ بندی کرتی، اسی لیے اسلام نے مرد و زن کے خلوت میں ملنے کو حرام قرار دیا ہے، ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے کہ:

''جب مرد اور عورت تنہائی میں ملتے ہیں تو ان کے ساتھ تیسرا فرد شیطان ہوتا ہے۔''

﴿٦﴾......ذاتِ باری پر ایمان اور عقیدہ کی پختگی سے مصائب کا برداشت کرنا

اور اخلاقی نجاستوں سے دامن کا بچانا آسان ہو جاتا ہے۔

﴿۷﴾...... مؤمن کو چاہیے کہ وہ ہر تنگی اور پریشانی کے وقت صرف اللہ کی طرف رجوع کرے۔ جب عزیزِ مصر کی بیوی نے بُرائی کا ارتکاب نہ کرنے کی صورت میں جیل کی دھمکی دی تھی تو آپ نے معصیت پر مصیبت کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے رب کو پکارا تھا:

''اے میرے رب! جیل مجھے اس بُرائی سے زیادہ محبوب ہے جس کی دعوت زنانِ مصر مجھے دیتی ہیں۔''

بعض اللہ والوں کے بارے میں آتا ہے کہ جب کسی مصیبت اور بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان سے تعزیت کی گئی تو انہوں نے جواب دیا:

''الحمدللہ ! بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے'' (اللہ کا شکر ہے مصیبت میں مبتلا ہوں، معصیت میں نہیں۔)

﴿۸﴾...... سچا داعی، انتہائی مشکل اور پریشان کن حالات میں بھی دعوت کے فریضہ سے غافل نہیں ہوتا، سیدنا یوسف علیہ السلام جیل میں بھی دعوت و تبلیغ اور اصلاح و ارشاد کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، جو لوگ آپ سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے آئے، ان کو بھی آپ نے پہلے توحید کی دعوت دی اس کے بعد خواب کی تعبیر بتلائی اور کہا جاتا ہے کہ جیل کے قیدیوں نے آپ کی دعوت سے متأثر ہو کر ایمان قبول کر لیا تھا، خود مصر کا بادشاہ بھی اسلام لے آیا تھا۔

﴿۹﴾...... ہر مسلمان کو عموماً اور داعی اور پیشوا کو خصوصاً اپنے دامن کی صفائی کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے، حضرت یوسف علیہ السلام کو کئی سال بعد جب رہائی نصیب ہوئی تو آپ نے اس وقت تک جیل سے باہر قدم رکھنے سے انکار کر دیا جب تک کہ آپ کی برأت اور طہارت کا اعلان اور اعتراف نہ کر لیا جائے، تاکہ کل کو آپ کو یہ طعنہ نہ دیا جائے کہ معاذ اللہ! تھے تو مجرم مگر رحم اور ترس کھاتے ہوئے رہا کر دیا گیا۔

﴿۱۰﴾...... اس واقعہ سے صبر کی فضیلت اور اس کے بہترین نتائج کا بھی یقین

آ جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں کی تاریکی سے جیل کی تنہائی تک اور عزیزِ مصر کے گھر سے بھائیوں کو معاف کرنے تک ہر جگہ مضبوطی کے ساتھ صبر کا دامن تھامے رکھا، اس صبر کے جو نتائج سامنے آئے وہ کسی سے مخفی نہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ صبر، راحتوں اور نعمتوں کے دروازے کی چابی، نصف ایمان اور اللہ کی نصرت اور رحمت کو متوجہ کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔

﴿۱۱﴾...... اس قصہ کے مطالعہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت اور طہارت کی کئی شہادتیں سامنے آتی ہیں۔

پہلی شہادت رب العالمین کی ہے۔

دوسری شہادت شیطان کی ہے کیونکہ شیطان نے باری تعالیٰ کے سامنے قسم کھا کر کہا تھا:

"تیری عزت کی قسم! میں سب (انسانوں) کو گمراہ کردوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہیں۔"{۱}

اور اس میں شک ہی کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مخلص اور منتخب تھے لہٰذا انہیں راہِ راست سے ہٹانا خود شیطان کے بقول ممکن ہی نہ تھا۔

تیسری شہادت خود حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے، ابھی گزرا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا:

"اے میرے رب! مجھے جیل زیادہ محبوب ہے اس برائی سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں۔"

چوتھی شہادت عزیزِ مصر کی بیوی کی ہے، جب اس نے واضح طور پر کہا تھا:

"اب حق واضح ہوگیا، میں نے اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی اور یہ سچوں میں سے ہے۔"

{۱} (الحجر ۱۵/۳۹-۴۰)

پانچویں شہادت عزیزِ مصر کے خاندان کے اس فرد کی ہے جس نے کہا تھا:

''اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو یہ سچی ہے اور یوسف (معاذاللہ) جھوٹوں میں سے ہے اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے۔'' جب دیکھا گیا تو آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔

چھٹی شہادت ان زنانِ مصر کی ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، انہوں نے آپ کے کردار کی صفائی کی گواہی دیتے ہوئے کہا تھا:

''ہمیں یوسف کے بارے میں کسی برائی کا علم نہیں ہے۔''

ان تمام شہادتوں سے قطعی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی ثابت ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی سیاہ دل آپ کی طرف برائی کی نسبت کرتا ہے تو اس سے بڑا جاہل اور غبی کوئی نہیں۔

﴿۱۲﴾...... بارہویں نصیحت اس قصہ سے یہ حاصل ہوتی ہے کہ اللہ کسی کو تکلیف میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کرلے تو اس کی تقدیر اور فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اگر کسی کے ساتھ خیر اور عزت کا فیصلہ کرلے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

سورۂ یوسف کا اختتام اس آیت پر ہوا ہے:

''ان کے قصے میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے، یہ (قرآن) ایسی بات نہیں جسے خود بنالیا جائے بلکہ یہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے (نازل) ہوئی ہیں اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

گویا اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جو اللہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال کر تخت پر بٹھا سکتا ہے، وہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ محمد ﷺ کو بھی عزت عطا کرے اور ان کے لائے ہوئے دین کو تمام ادیان پر غالب کردے۔

☆☆☆☆☆

اللہ کا احسانِ عظیم

﴿۱......۳﴾

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ

الرا یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی O ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تا کہ تم سمجھ لو O ہم

نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ

بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہت اچھا بیان، اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن، اور تو تھا اس سے پہلے

قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾

البتہ بے خبروں میں O

ربط: سورۂ یوسف اور سورۂ ھود کے درمیان کئی اعتبار سے مناسبت پائی جاتی ہے۔

الف.....سورۂ یوسف، سورۂ ھود کے بعد نازل ہوئی۔

ب......دونوں سورتوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کے قصے بیان کیے گئے ہیں، ان قصوں اور دوسرے مضامین سے جو مشترک حقیقت ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے حق و باطل کے درمیان جس کشمکش کا آغاز ہوا ہے، اس کا آخری نتیجہ اہلِ حق کی کامیابی اور اہلِ باطل کی ناکامی کی صورت میں نکلے گا، اس حقیقت کے بیان میں جہاں قریش کے لیے انذار ہے تو وہیں مسلمانوں کے لیے بشارت بھی ہے۔

ج......سورۂ یونس، سورۂ ھود اور سورۂ یوسف تینوں کا آغاز ''الٓر'' سے ہوا ہے، البتہ سورۂ یونس میں کتاب کی صفت ''الحکیم'' لائی گئی (یعنی حکمت والی کتاب) سورۂ ھود میں اس کی صفت ''احکمت'' لائی گئی (یعنی ایسی کتاب جس کی آیات محکم ہیں) اور سورۂ یوسف میں اس کی صفت ''المبین'' لائی گئی (یعنی

ایسی کتاب جو واضح ہے) اس میں حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ سورۂ یونس اور ھود میں اصولِ دین سے بحث کی گئی ہے جن میں حکمت بھی پائی جاتی ہے اور وہ محکم بھی ہیں، اس لیے کتاب کو حکمت اور اِحکام سے موصوف کرنا زیادہ مناسب تھا جبکہ سورۂ یوسف میں ایسے مختلف واقعات بیان کیے گئے ہیں جو اللہ کے نبی کو قدم قدم پر پیش آئے اس لیے کتاب کو صفتِ بیان سے موصوف کیا گیا۔

د...... متعدد حکمتوں اور مقاصد کی بناء پر ہر نبی کا قصہ مختلف سورتوں میں اجزاء کی صورت میں مکرّر بیان ہوا ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ صرف سورۂ یوسف میں بیان کیا گیا ہے، کسی دوسری سورت میں اس کا کوئی جزء نہیں آیا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے دونوں انداز حدِّ بلاغت تک پہنچے ہوئے ہیں، مخالفین نہ تو ان قصوں کی نظیر لا سکتے ہیں جو مکرّر آئے ہیں اور نہ اس حصے کی نظیر لا سکتے ہیں جو غیر مکرّر آیا ہے۔{۱}

تسہیل: الف، لام، را...... یہ واضح کتاب کی آیات ہیں ○ ہم نے عربی زبان میں قرآن نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ لو ○ اے ہمارے پیغمبر! ہم اس وحی کی بدولت آپ کو بہترین قصہ سناتے ہیں جس کے ذریعے ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے، یقیناً اس کے نزول سے پہلے آپ اس قصہ سے بے خبر تھے ○

تفسیر

﴿۱﴾...... یہ واضح کتاب کی آیات ہیں، ایسی کتاب، جس کا معجزہ اور برحق ہونا بالکل واضح ہے، جو دین کے حقائق اور دنیا کی مصلحتیں ظاہر کرنے والی ہے، یہ حق اور باطل، حلال اور حرام میں امتیاز کرتی ہے، اس کتاب کی صداقت کے لیے خارجی دلائل کی

{۱} فلم یقدر مخالف علی معارضة ما تکرّر ولا علی معارضة غیر المتکرّر (قرطبی ۹/۱۰۱)

ضرورت نہیں کیونکہ اس کی حقانیت کے دلائل خود اس کے اندر موجود ہیں۔

﴿۲﴾...... یہ کتاب ''قرآن'' ہے، قرآن کا معنی ہے: ''پڑھنا''

اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا پڑھنا بھی عبادت ہے، سرورِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''حسد'' (رشک) صرف دو شخصوں پر ہونا چاہیے، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا ہو اور وہ شب و روز اس کی تلاوت میں مصروف رہتا ہو، دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہو اور وہ دن رات اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔'' {۲}

﴿عَرَبِيًّا﴾ یہ کتاب عربی زبان میں ہے، قرآن صرف اسے کہا جائے گا جو عربی میں ہو اور وہی الفاظ ہوں جو آسمان سے نازل ہوئے، کسی دوسری زبان میں اس کے ترجمہ اور مفہوم پر ''قرآن'' کا اطلاق نہیں ہوسکتا، اختصار کے ساتھ یوں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن نظم اور معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے، صرف نظم اور الفاظ کو قرآن نہیں کہا جاسکتا۔

عربی زبان نہ صرف فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے دنیا کی سب سے مالدار زبان ہے بلکہ ذخیرۂ الفاظ کی وسعت اور معانی کی ادائیگی کی سہولت کے اعتبار سے بھی اس کا کوئی ثانی نہیں۔

قرآن کا عربی زبان میں ہونا اہلِ عرب کے لیے ایک اعزاز بھی تھا اور ان پر ایک حجت بھی تھا، جن لوگوں نے اپنی مادری زبان میں ہونے کے باوجود اللہ کی کتاب سے فائدہ نہ اٹھایا، ان سے بڑا بدنصیب کون ہوسکتا ہے۔

﴿۳﴾...... اسی قرآن میں بذریعہ وحی وہ قصہ بھی بیان ہوا ہے جو اللہ کی نظر میں ''احسن القصص'' (قصوں میں سے بہترین) ہے، اس قصہ کے بہترین ہونے کے بارے میں ہم خلاصۂ سورت میں بقدرِ ضرورت بحث کر چکے ہیں، مختصر یہ کہ یہ قصہ دین

{۲} (بخاری ۲، فضائل القرآن/۱۵۷، مسلم ۱، کتاب فضائل القرآن/۲۷۲)

اور دنیا، فرد اور جماعت، اولاد اور والدین، نسوانی اور شہوانی جذبات، اقتصادی اور سیاسی مسائل، عقائد اور اعلیٰ اخلاق جیسے متنوع مضامین پر مشتمل ہے اور اس کے آئینے میں نہ صرف قریش اور رحمۃ للعلمین ﷺ کا مستقبل دکھا دیا گیا ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے بتا دیا گیا کہ وقتی ہنگاموں اور عارضی مد و جزر سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، بالآخر عزت اور سر فرازی کے حقدار وہی ہوتے ہیں جو اعلیٰ کردار اور اخلاق کے حامل ہوتے ہیں۔

حکمت و ہدایت:

۱.....قرآن اپنی ذات کے اعتبار سے بھی واضح ہے اور حلال وحرام حق و باطل، حدود اور احکام، مسائل اور اخلاق جیسے مضامین بیان کرنے کے اعتبار سے بھی واضح ہے۔(۱)

۲.....قرآن کا عربی زبان میں ہونا عالمِ انسانی پر عموماً اور عالمِ عرب پر خصوصاً بہت بڑا احسان ہے، انسانوں میں سے سب سے زیادہ عربوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائیں اور اسے سمجھیں۔(۲)

۳.....عربی، مسلمانوں کی محبوب زبان ہے، اس لیے کہ قرآن عربی میں ہے، حضورِ اکرم ﷺ کی زبان عربی تھی اور اہلِ جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔(۳)

۴.....قرآنِ کریم سے براہِ راست استفادہ کے لیے عربی زبان سیکھنا ضروری ہے۔(۳)

۵.....قرآن کو سمجھنا اس کے مقاصدِ نزول میں سے بھی ہے اور اس کے حقوق میں سے ایک حق بھی ہے۔(۳) اس مقصد اور حق کو کہیں "تعقلون" کہیں "تتفکرون" اور کہیں "یتدبّرون" سے بیان کیا گیا ہے۔

۶.....حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ حسنِ بیان، شوکتِ الفاظ اور کمالِ فصاحت کے اعتبار سے بھی بہترین ہے اور انسانی نفسیات، بصائر و عبر اور ہدایات کے اعتبار سے بھی بہترین ہے۔

خواب اور تعبیر

﴿۴......۶﴾

اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ

جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے اے باپ! میں نے دیکھا خواب میں گیارہ ستاروں کو اور سورج کو اور چاند کو دیکھا

رَاَیۡتُهُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ ﴿۴﴾ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡیَاكَ عَلٰۤی اِخۡوَتِكَ فَیَکِیۡدُوۡا لَكَ

میں نے ان کو اپنے واسطے سجدہ کرتے ہوئے O کہا اے بیٹے! مت بیان کرنا خواب اپنا اپنے بھائیوں کے آگے پھر وہ

کَیۡدًا ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۵﴾ وَکَذٰلِكَ یَجۡتَبِیۡكَ رَبُّكَ وَیُعَلِّمُكَ

بنائیں گے تیرے واسطے کچھ فریب، البتہ شیطان ہے انسان کا صریح دشمن O اور اسی طرح برگزیدہ کرے گا تجھ کو تیرا رب

مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ وَیُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡكَ وَعَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ کَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤی اَبَوَیۡكَ

اور سکھلائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا اور پورا کرے گا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر جیسا پورا کیا ہے تیرے دو

مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۶﴾

باپ دادوں پر اس سے پہلے ابراہیم اور اسحاق پر البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمت والا O

تسہیل: یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان! میں نے خواب میں گیارہ ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھا کہ وہ میرے سامنے سجدہ کر رہے ہیں O والد نے جواب دیا کہ اے میرے پیارے بیٹے! یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں، بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے O جیسے یہ مبارک خواب تمہیں دکھایا گیا ہے یونہی تمہارا رب کسی بڑے منصب کے لیے تمہارا انتخاب کرے گا اور تمہیں باتوں کی تہ تک پہنچنا سکھائے گا اور تم پر اور آلِ یعقوب پر اپنی نعمت تام کرے گا جیسے اس سے پہلے تمہارے اجداد ابراہیم اور اسحاق پر اس نے اپنی نعمت تام کی تھی، بے شک تمہارا رب بڑا ہی علیم و حکیم ہے O

﴿تفسیر﴾

﴿۴﴾...... حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کے سامنے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے گیارہ ستاروں، سورج اور چاند کو اپنے سامنے جھکتے اور تواضع اختیار کرتے دیکھا ہے۔{۳}

حضرت یوسف علیہ السلام غیر معمولی طور پر سلیم الفطرت، سنجیدہ، باوقار اور سمجھدار تھے، وہ خود بھی جان گئے تھے کہ یہ کوئی عام خواب نہیں اس لیے انہوں نے اس کا ذکر اِدھر اُدھر کرنے کے بجائے صرف اپنے عظیم المرتبت والد کے سامنے کیا، ہمارے آقا ﷺ کا ارشاد بھی یہی ہے کہ خواب صرف اسی کے سامنے بیان کیا کرو جو عقلمند ہو یا تم سے محبت کرنے والا ہو۔{۴}

﴿رَاَیۡتُهُمۡ﴾ چونکہ اس خواب سے آپ کی بڑائی ظاہر ہوئی تھی، اس لیے اسلوبِ کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خواب بیان کرتے کرتے ذرا دیر کے لیے ٹھہر گئے اور جب ان سے اس رؤیت کی کیفیت کا سوال کیا گیا تو کے بعد فرمایا ''رَاَیۡتُهُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ'' یہ نکتہ ''رأیت'' کے تکرار سے سمجھ آتا ہے۔{۵}

یہاں یہ اشکال اوّل تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کے سامنے سجدہ کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہ قصہ خواب کا تھا بیداری کا نہیں اور خواب پر بیداری کے احکام جاری نہیں ہوسکتے، اور اگر بالفرض کسی کے دل میں یہ اشکال آ ہی جائے تو اسے جان لینا چاہیے کہ سجدہ صرف زمین پر پیشانی رکھنے کے معنی میں نہیں آتا، تواضع اور عاجزی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

{۳} المراد بالسجود نفس السجود والتواضع......قلنا: کلاھما محتمل (کبیر ۶، الجزء الثامن عشر/۴۱۹)
{۴} لاتحدث بھا إلا لبیبا أو حبیبا (ترمذی ۲، ابواب الرؤیا/۵۳) لاتقصھا إلا علی واد أو ذی رأی (ابوداؤد ۲، کتاب الادب/۳۳۷)
{۵} (کبیر ۶، ۱۸/۴۱۸-۴۱۹)

خوابوں کی حقیقت

﴿۵﴾......خواب ہی واضح نہ تھا اپنے بیٹوں کے جذبات اور خیالات بھی حضرت یعقوب علیہ السلام پر واضح تھے، وہ جانتے تھے کہ یوسف کی غیر معمولی صلاحیتوں اور ظاہری اور باطنی حسن کی وجہ سے اسے والدین کی جو خصوصی توجہ اور محبت حاصل ہے، وہ اس کے بھائیوں کے دل میں کھٹکتی ہے اور انہیں اس امر کا اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں حسد میں مبتلا ہو کر وہ کوئی ناروا حرکت نہ کر بیٹھیں، اسی لیے انہوں نے یوسف کو سختی سے منع کر دیا کہ یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آ جائیں، ان گیارہ بھائیوں میں آپ کا حقیقی بھائی بن یامین بھی تھا، اس کی طرف سے اگرچہ برائی کا اندیشہ نہ تھا لیکن یہ ممکن تھا کہ وہ بھولپن سے اس خواب کا تذکرہ دوسروں کے سامنے کر دے اس لیے اس کے سامنے بھی ذکر کی اجازت نہیں دی۔

قرآن نے اپنے سوتیلے بھائیوں کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے تعلقات کی کشیدگی کی کوئی وجہ نہیں بتائی لیکن بائبل کہتی ہے کہ اس کی ایک وجہ یوسف علیہ السلام کا خود شرارتوں سے الگ رہتے ہوئے اپنے بھائیوں کی شرارتوں کے بارے والد کو اطلاع دینا تھا۔

''یوسف نے ان کے باپ کے پاس ان کے بارے میں قبیح افواہ پہنچا دی۔''{۶}

ہمارے آقا ﷺ نے خواب بیان کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں جو اصولی رہنمائی فرمائی ہے، وہ یہ ہے:

''جب تم میں سے کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو بیان کر دے اور جب کوئی ناپسندیدہ

{۶} (عہد عتیق، تکوین باب ۳۷:۲/ص ۳۵)

خواب دیکھے تو کروٹ بدل کر بائیں جانب تین بار تھوک دے اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرے تو یہ خواب اسے کچھ بھی نقصان نہیں دے گا۔“ {۷}

اس رہنمائی میں ان وہمی لوگوں کا بھی علاج ہے جو خوابوں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور پریشان کن خواب دیکھنے کے بعد ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں کہ جو حادثہ اور سانحہ خواب میں دیکھا ہے وہ وقوع پذیر ہو کر رہے گا۔

اصل یہ ہے کہ خواب مختلف قسم کے ہوتے ہیں، ان میں شیطانی وساوس کا بھی عمل دخل ہوتا ہے اور پریشان خیالی، دماغی سیر، عالمِ بیداری کی تمناؤں اور روح کے مشاہدات کا اثر بھی ہوتا ہے، بعض خواب اللہ کی طرف سے تنبیہ اور بعض بشارت کی صورت میں ہوتے ہیں، انسان کے گرد و پیش، اس کی مصروفیات بلکہ موسموں اور غذاؤں تک کا خوابوں پر اثر پڑتا ہے، اس لیے نہ تو خوابوں کو کلی طور پر فضول سمجھنا چاہیے اور نہ ہی انہیں قطعیت کا مقام دینا چاہیے، بالخصوص شرعی مسائل میں خوابوں کی کوئی حیثیت نہیں، خواب دیکھنے والا کتنا ہی صالح اور عابد و زاہد کیوں نہ ہو، نہ تو اس کے خواب سے کوئی چیز فرض یا واجب یا سنت اور مستحب ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی حلال حرام ہو سکتا ہے، خوابوں میں تعبیر کی بہت زیادہ اہمیت ہے، ہر کوئی تعبیر بتانے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اکثر لوگ اس بارے میں اٹکل سے کام لیتے ہیں، ان سے جب تعبیر پوچھی جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے خاموشی اختیار کی تو عوام ہمیں جاہل سمجھیں گے چنانچہ وہ جواب میں کچھ نہ کچھ ضرور کہہ دیتے ہیں، بے شمار لوگوں کی دکانیں خوابوں ہی کے دم قدم سے آباد ہیں، یہ جملہ جوابھی

{۷} (بخاری ۲، کتاب التعبیر/۱۰۴۳، مسلم ۲، کتاب الرؤیا/۲۴۱)

ابھی زبانِ قلم سے نکل گیا ہے، اس کی تشریح میں کئی صفحات سیاہ کیے جاسکتے ہیں مگر مقام اس طوالت کی اجازت نہیں دیتا، تاہم چند احادیث اور معروضات ''حکمت وہدایت'' میں پیش کریں گے۔

﴿۶﴾......اے میرے بیٹے! جیسے اللہ تعالیٰ نے یہ مبارک خواب دکھانے کے لیے تمہارا انتخاب کیا ہے، یونہی اپنے پیام کی دعوت اور نبوت کے لیے بھی تمہارا انتخاب کرے گا۔

تاویلِ احادیث

﴿وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ ''اور تمہیں احادیث کی تاویل کا علم دے گا'' خوابوں کی ٹھیک ٹھیک تعبیر، ہر بات کا موقع ومحل سمجھنا، معاملات کے نتائج فوراً پرکھ لینا، اللہ کے کلام، انبیاء کے ارشادات اور اقوامِ عالم کے قصّوں کی تہہ تک پہنچ جانا، یہ سب کچھ ''تاویلِ احادیث'' میں آجاتا ہے{۸} اگرچہ اکثر مفسرین نے اس کا معنیٰ ''خوابوں کی تعبیر'' کیا ہے{۹} لیکن بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نبی کے لیے تعبیرِ خواب کا ملکہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں کہ اسے اللہ سبحانہ کا خاص عطیہ قرار دیا جاتا، یہ ملکہ تو بعض غیرانبیاء کو بھی حاصل ہوتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کو باری تعالیٰ نے ایسی بصیرت ومہارت، ایسی حکمت ودانائی، ایسی پختگی اور دیدہ وری عطا فرمائی تھی کہ وہ بہت جلد ہر بات کے مطلب، ہر واقعہ کے نتیجہ، ہر بھید کی حقیقت اور ہر معاملہ کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، اور اسی کا دوسرا عنوان ''تاویلِ احادیث'' ہے۔

{۸} یراد بتأویل الأحادیث معانی کتب اللہ وسنن الانبیاء وماغمض واشتبه علی الناس من أغراضها ومقاصدها (کشاف ۲/۴۱۹)

{۹} المراد منه تعبیر الرؤیا (کبیر ۶، الجزء الثامن عشر/۴۶۰) "ویعلّمك من تأویل الأحادیث" تأویل الرؤیا وتعبیرها (تفسیر المراغی ۱۲/۱۱۵)

اندازہ کیجیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ابتدائی زندگی صحرا میں بسر ہوئی، انسان اپنے خارجی ماحول سے ضرور متاثر ہوتا ہے، نہ انہیں تعلیم کے مواقع میسّر آئے اور نہ ہی بادشاہوں، سیاستدانوں اور اقتصادی ماہرین سے ان کی کبھی ملاقات ہوئی، لیکن جب نوشتۂ تقدیر کے نتیجے میں وہ مصر جیسی متمدّن سرزمین میں جا پہنچے اور کئی سال جیل کی تنہائیوں میں بسر کرنے کے بعد انہوں نے خود عزیزِ مصر کی درخواست پر شاہی محلات میں قدم رکھا، تو پورے اعتماد سے فرمایا:

﴿اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾ ”مصر کے خزانے میرے حوالے کر دیجیے، میں دیانتدار اور محافظ بھی ہوں اور اس کام سے واقف بھی ہوں۔“

بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ آپ کا یہ دعویٰ مبنی بر حقیقت تھا۔

سوچیے! یہ واقفیت اور ملکہ انہوں نے کہاں سے حاصل کیا؟ کسی یونیورسٹی میں؟ کسی بادشاہ کے دربار میں؟ نہیں بلکہ یہ وہی ”علمِ تاویل الاحادیث“ تھا جو فیاضِ حقیقی نے آپ کو عطا کیا تھا۔

﴿وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ﴾ اے میرے بیٹے! اللہ تمہیں اور آلِ یعقوب کو اسی طرح دین و شریعت کی نعمت عطا فرمائے گا جیسے اس نے تمہارے اجداد یعنی ابراہیم اور اسحٰق علیہما السلام کو یہ نعمت عطا فرمائی تھی، دنیاوی اقتدار، مادی خوشحالی، اولاد کی کثرت، خاندان کی وسعت اور عزت و شہرت، یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں لیکن کوئی نعمت کامل نہیں ہوسکتی جب تک دین و شریعت کی نعمت حاصل نہ ہو۔

﴿إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ تیرا رب ہی جانتا ہے کہ کون نعمت کا مستحق ہے اور کس کے اندر اسے قبول کرنے کی استعداد ہے، پھر وہ اپنی حکمت سے اسے یہ نعمت عطا کرتا ہے۔

حکمت وہدایت:

انبیاء کے خواب:

ا......عام انسانوں کے خواب سچے بھی ہوتے ہیں اور جھوٹے بھی، حدیثِ نفس بھی ہوتے ہیں اور شیطانی وساوس بھی، دماغی سیر بھی ہوتے ہیں اور روحانی مشاہدہ بھی، لیکن انبیاء کے خواب بہرحال سچے ہوتے ہیں، یہ تو ممکن ہے کہ ان کی تعبیر فوراً سامنے نہ آئے مگر یہ ناممکن ہے کہ وہ جھوٹے ثابت ہوں، بعض حکماء کا قول ہے کہ ردّی قسم کے خوابوں کی تعبیر بہت جلد وقوع پذیر ہو جاتی ہے جبکہ اچھے خوابوں کی تعبیر دیر بعد سامنے آتی ہے۔

ہمارے آقا علیہ ﷺ نے صلحاء کے خواب کو نبوت کا جزء قرار دیا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نبوت میں سے صرف مبشّرات باقی رہ گئے ہیں یعنی وہ نیک اور سچے خواب جو ایک مسلمان خود دیکھتا ہے یا اس کے بارے میں کوئی اور دیکھتا ہے۔'' {۱۰}

مسلم اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

''تم میں سب سے سچا خواب اسی کا ہوگا جو سب سے زیادہ سچ بولنے والا ہوگا۔'' {۱۱}

صلحاء کے خواب کو نبوت کا جزء اس لیے قرار دیا گیا ہے کیونکہ نبوت کی ابتداء سچے خوابوں سے اور انتہاء وحیِ الٰہی پر ہوتی ہے، خواب دیکھنے والے کو بعض اوقات غیبی خبروں کی اطلاع کر دی جاتی ہے اور یہ نبوت کا خاصہ ہے، خود رسول اللہ ﷺ نبوت سے پہلے

{۱۰} (ابن ماجہ، کتاب النکاح/۲۷۸)

{۱۱} (مسلم ۲، کتاب الرؤیا/۲۴۱، ابوداؤد ۲، کتاب الادب/۳۳۶ الا ''أصدقهم'' بدل ''اصدقكم'')

سچے خواب دیکھا کرتے تھے، چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا اس کے بعد وحی آئی، یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اگرچہ خواب نبوت کا جزء ہیں مگر خواب دیکھنے والے کو شریکِ نبوت یا چھوٹا نبی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ حدیث میں اگر سچے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ بتایا گیا ہے تو بعض اعلیٰ اخلاق کو پچیسواں حصّہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشادگرامی ہے:

﴿القصد والتؤدة وحسن السمت جزء من خمسة وعشرين جزءً من النبوة﴾{۱۲}

''میانہ روی، بردباری، متانت اور اچھی روش نبوت کا پچیسواں جزء ہے۔''

عربی زبان میں خواب کے لیے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں، حلم اور رؤیا، اردو میں دونوں کا معنیٰ خواب ہے، جبکہ حدیث میں دونوں میں فرق کیا گیا ہے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿الرياؤ الصالحة من الله والحلم من الشيطٰن﴾{۱۳}

''اچھا خواب اللہ کی طرف سے جبکہ برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔''

عام طور پر اچھے اور سچے خواب وہی دیکھتے ہیں جن کا دل ودماغ ایمان کے نور سے منور ہوتا ہے، بعض اوقات کافر اور فاسق وفاجر انسان کا خواب بھی سچا ثابت ہوجاتا ہے لیکن ہم اسے نبوت کا جزء نہیں کہیں گے کیونکہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جس کسی کی مستقبل کے بارے میں پیشنگوئی سچی ثابت ہوجائے اس کی خبر کو نبوت کا حصّہ تسلیم کرلیا جائے، بے شمار کاہنوں، نجومیوں، دست شناسوں اور انسانیت کے دشمنوں کی بعض خبریں سچی ثابت ہوجاتی ہیں یہی حال ان کے خوابوں کا بھی ہے، تو کیا ان سب کی اناپ شناپ کو نبوت کا حصّہ مان لیا جائے گا؟ ہرگز نہیں!

{۱۲} (الموطا/۹۵۴ بحواله نضرة النعيم ۱۵۹۲/۵)
{۱۳} (بخاری ۲، کتاب التعبير/۱۰۳۵)

۲......خواب صرف ایسے شخص کے سامنے بیان کرنا چاہیے جو صاحبِ علم، خیر خواہ، محبت کرنے والا اور تعبیر میں شُد بُد رکھتا ہو، جاہل اور بدخواہ ممکن ہے کوئی ایسی تعبیر بتا دے جو انسان کو وہمی بنا دے اور اس سے کوئی ایسی حرکت کروا دے جو پچھتاوے کا سبب بن جائے، آقا ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''جب تک خواب دیکھنے والا اسے کسی کے سامنے بیان نہ کردے، اس کی حیثیت ایسی ہوتی ہے گویا وہ پرندے کے پاؤں کے ساتھ معلّق ہے، جب وہ اسے بیان کردے گا تو وہ واقع ہوجائے گا لہٰذا خواب صرف ایسے شخص کے سامنے بیان کرو جو عاقل، خیر خواہ اور تمہارا محبّ ہو۔'' (۵){۱۴}

۳......جہاں تک ممکن ہو کسی ایسے انسان کے سامنے نعمت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے جس کی طرف سے حسد اور مخالفانہ چال چلنے کا خطرہ ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''اپنی ضروریات اور مقاصد کو تکمیل تک پہنچانے میں اخفاء سے مدد لو کیونکہ ہر صاحبِ نعمت سے حسد کیا ہی جاتا ہے۔'' (۵){۱۵}

۴......کسی کے شر سے بچانے کے لیے اپنے مسلمان بھائی اور عزیز کو اس کے بارے میں خبردار کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے۔ (۵)

۵......والد اپنی اولاد کی مادی اور روحانی ترقی سے خوش ہوتا ہے اور اس کی تمنا ہوتی ہے کہ میری اولاد کو اللہ مجھ سے بھی زیادہ نواز دے، جبکہ بھائیوں کے جذبات اپنے بھائی کے بارے میں ایسے نہیں ہوتے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سن کر جان لیا تھا کہ یوسف کو ایسی عزت اور مقام ملے گا جو مجھے بھی نہ مل سکا اور یہ جان کر انہیں خوشی ہوئی تھی۔ (۵)

۶......برادرانِ یوسف کے بارے میں بحث ہوئی ہے کہ وہ انبیاء تھے یا نہیں، بظاہر اس قصے

{۱۴} (ترمذی ۲، ابواب الرؤیا/۵۳، ابوداؤد ۲، کتاب الادب/۳۳۷)
{۱۵} (طبرانی وبیہقی بحوالہ منیر ۲۰۹/۱۲)

سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ انبیاء نہیں تھے کیونکہ انبیاء نہ کسی سے حسد کرتے ہیں، نہ اپنے والدین کی نافرمانی کرتے ہیں، نہ ہی کسی مومن کے قتل کے لیے مشورہ کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی ہلاکت کا سامان کرتے ہیں جبکہ برادرانِ یوسف نے یہ سب کچھ کیا۔

۷......اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت دین وشریعت کی نعمت ہے، اس کے مقابلے میں سب نعمتیں ناقص ہیں اور اس نعمت کا کمال اور آخری درجہ نبوت ہے۔(۲۰)

۸......خواب سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تین درجات کی بشارت سنائی، اجتباء، تاویلِ احادیث اور اتمامِ نعمت یعنی اللہ کی جانب سے انتخاب، حقائق تک رسائی اور نبوت۔(٦)

۹......معاملات، مسائل، واقعات، اختلافات، شخصیات، نظریات اور باتوں کی حقیقت تک رسائی اللہ کی خاص دین ہے، اللہ سے اس کی دعا مانگنی چاہیے۔

برادرانِ یوسف کی مشاورت

۷......۱۰

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ⑦ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ

البتہ ہیں یوسف کے قصے میں اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں پوچھنے والوں کے لیے ○ جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے

أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ⑧ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ

ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم ان سے قوت والے لوگ ہیں، البتہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے ○ مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ خالص رہے

أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ⑨ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ

تم پر توجہ تمہارے باپ کی اور ہو رہنا اس کے بعد نیک لوگ ○ بولا ایک بولنے والا ان میں مت مار ڈالو

لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ⑩

یوسف کو اور ڈال دو اس کو گم نام کنوئیں میں کہ اٹھا لے جائے اس کو کوئی مسافر اگر تم کو کرنا ہے ○

تسہیل: بے شک یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصے میں پوچھنے والوں کے لیے بہت سی عبرتیں ہیں O جب انہوں نے آپس میں کہا کہ ہمارے والد کو یوسف اور اس کے بھائی سے ہم سے زیادہ پیار ہے حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے والد کھلی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں O اس کا حل یہ ہے کہ یوسف کو قتل کر دو یا اسے کہیں دور پھینک آؤ، جب وہ نہیں رہے گا تو تمہارے والد کی ساری توجہ تمہاری ہی طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم نیک بن جانا O ان میں سے ایک کہنے والے نے مشورہ دیا کہ یوسف کو قتل تو نہ کرو، البتہ اگر تم کچھ نہ کچھ کرنے کا ارادہ کر ہی چکے ہو تو اسے کسی کنویں کی تہہ میں پھینک دو، کوئی راہ چلتا مسافر اسے نکال لے جائے گا O

﴿تفسیر﴾

﴿۷﴾...... قرآنِ کریم کے اوصاف اور حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب بیان کرنے کے بعد ''احسن القصص'' کا آغاز ہو رہا ہے، ابتداء ہی میں بتا دیا گیا کہ جو لوگ اس قصہ کے بارے میں سوال کر رہے تھے ان کے لیے اس میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں، یہ وضاحت اس لیے بھی ضروری تھی تاکہ تقدیر کے عجائب اور انسانی فطرت کے مخفی گوشوں کو ظاہر کرنے والے اس قصے کو سننے والے ایک دلچسپ کہانی یا افسانے کے طور پر نہ سنیں بلکہ ان کی توجہ ان مواعظ اور نشانیوں کی طرف مبذول رہے جو اس کے دامن میں پوشیدہ ہیں، اس سورت کے مضامین سے صرف ان لوگوں کی تشفی نہیں ہوتی جو حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے مدوجزر کے بارے میں جاننا چاہتے تھے بلکہ یہ سورت ان لوگوں کے سوالات کے جواب بھی دیتی ہے جو مکہ میں حق اور باطل کے درمیان برپا کشمکش کے نتائج کے بارے میں تذبذب کا شکار تھے،

مکہ اور گرد و پیش میں جو حالات تھے ان کے پیشِ نظر بظاہر یہ ناممکن دکھائی دیتا تھا کہ باطل کے علمبردار سرداروں کو ایک نہ ایک دن حق کے پرچم بردار کے سامنے سرنگوں ہونا پڑے گا مگر اس سورت نے بتا دیا کہ ایسا ہونا یقینی ہے، بعد کے حالات نے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

یعقوب علیہ السلام کی محبت

﴿۸﴾...... گیارہ بھائیوں میں سے ایک یعنی بن یامین یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے باقی دس علاتی بھائی تھے یعنی والد تو سب کا ایک تھا مگر والدہ ان دونوں کی الگ تھی اور وہ انتقال کر چکی تھیں، یہ دونوں اپنے علاتی بھائیوں سے چھوٹے تھے، ان دو وجوہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام دونوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی والدہ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ آپ کو اپنے بچوں میں سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

''سب سے چھوٹا جب تک بڑا نہ ہو جائے، بیمار جب تک شفایاب نہ ہو جائے اور غائب جب تک میری نظروں کے سامنے نہ آ جائے۔'' {۱۰۶}

حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت فطرت اور انسانیت کا تقاضا تھی، پھر یوسف علیہ السلام کو اللہ نے سیرت اور صورت کا جو حسن اور ظاہری اور باطنی کمالات عطا کیے تھے انہیں دیکھ کر اجنبی کا دل بھی موم ہو جاتا تھا جبکہ یعقوب علیہ السلام تو حقیقی والد تھے، وہ کیوں نہ متاثر ہوتے، بھائیوں کے دل میں یہ محبت کھٹکنے لگی، وہ کہتے تھے کہ اس صحرائی اور قبائلی زندگی میں کام آنے والے تو ہم ہیں، ہمارا ایک طاقتور جتھا ہے جو بوقتِ ضرورت کام آ سکتا ہے، یہ دونوں چھوٹے بچے کیا کر سکتے ہیں؟ لیکن ہمارے باپ کا حال یہ ہے کہ

{۱۰۶} (روح المعانی ۷، ۱۲/۲۸۵)

اسے یوسف اور اس کے بھائی بن یامین سے زیادہ محبت ہے۔

ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت قلبی میلان تک محدود ہوگی، باقی رہے خورد ونوش اور کپڑے لتے کے معاملات تو ان میں آپ اپنی ساری اولاد کے درمیان مساوات ملحوظ رکھتے ہوں گے کیونکہ اولاد کے درمیان عدل کرنا واجب ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿فاتقوا الله، واعدلوا بين أولادكم﴾{۱۷} ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔''

اللہ کے نبی کی شان سے یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ اولاد میں سے کسی کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کرے۔

برادرانِ یوسف کا فیصلہ:

﴿۹﴾......مشاورت کے بعد بھائی اس نتیجے پر پہنچے کہ یوسف کی موجودگی میں ممکن نہیں کہ ہمیں والدِ بزرگوار کی خصوصی محبت اور توجہ حاصل ہو لہٰذا یوسف کے قصّے کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے، یا تو اسے قتل کر دو یا کسی دور دراز جگہ میں پھینک دو جہاں سے یہ واپس نہ آ سکیں، جب وہ نہ رہیں گے تو والدین کی ساری توجہات اور شفقتوں کے تنہا ہم ہی حقدار رہ جائیں گے۔

﴿قَوْمًا صٰلِحِيْنَ﴾ چونکہ مسلمان تھے اس لیے ضمیر نے چٹکی لی، ارے سوچو! تو سہی کیا کرنے جا رہے ہو؟ جو تدبیر انہوں نے سوچی تھی اس میں صرف ایک گناہ کا ارتکاب نہ تھا بلکہ یہ تدبیر قطع رحمی، والدین کی نافرمانی، چھوٹے بھائی پر ظلم، بوڑھے

---

[۱۷] (بخاری ۱، کتاب الھبة وفضلھا والتحریض علیھا/۳۵۲، مسلم ۲، کتاب لھبات/۳۷، الا "فی" بدل "بین")

والدین اور اولاد کے درمیان جدائی جیسے کئی گناہوں کا مجموعہ تھی انہوں نے یہ کہہ کر ضمیر کو تسلی دی کہ ہم جرم کر لینے کے بعد توبہ کر کے نیک بن جائیں گے، یہی نفسیات ہوتی ہے ان لوگوں کی جو برائیوں کے ارتکاب کے ساتھ اللہ کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے۔

بعض مفسرین نے اس جملے کے معنی یہ کیے ہیں کہ: ''یوسف کے بعد ہمارے سارے کام ٹھیک ہو جائیں گے کیونکہ پدرِ بزرگوار کا دستِ شفقت یوسف سے مایوس ہو کر ہمارے ہی سروں پر سایہ فگن ہوگا۔'' {۱۸}

﴿۱۰﴾...... بڑا بھائی جس کا نام یہوذا تھا، اس نے مشورہ دیا کہ قتل نہ کرنا کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے، قتل کے بجائے یوسف کو آبادی سے دور کسی گمنام کنویں میں ڈال دو، کوئی راہ چلتا مسافر یا قافلہ اسے کنویں سے نکال کر لے جائے گا، اس صورت میں ہمارا مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور خونِ ناحق سے ہاتھ رنگین بھی نہیں کرنے پڑیں گے، گویا سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔

توراۃ میں مشورہ دینے والے بھائی کا نام روبین آیا ہے۔ {۱۹}

حکمت و ہدایت:

۱......قرآن قصّوں کہانیوں کی کتاب نہیں، یہ کتابِ ہدایت ہے، اس کے قصص میں بے شمار ہدایات اور اسباق پوشیدہ ہیں۔ (۷)

۲......حسد بدترین بیماری ہے، اچھے اچھے لوگوں کو راہِ اعتدال سے ہٹا کر افراط و تفریط میں مبتلا کر دیتی ہے حتّٰی کہ حاسد کے لیے قتل جیسے گناہ کا ارتکاب بھی آسان ہو جاتا ہے۔ (۸)

{۱۸} (تفسیر عثمانی /۳۰۶۔ دار التصنیف)
{۱۹} ''تب روبین سن کر اس کو ان کے ہاتھوں سے بچانے کے لیے بولا کہ ہم اسے قتل نہ کریں۔'' (عہدِ عتیق، تکوین باب ۳۷: ۲۱/ ص ۴۶)

۳......اولاد میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینا بغض وحسد پیدا کرتا ہے۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام عام معاملات میں نہیں صرف محبت میں دو چھوٹے بیٹوں کو ترجیح دیتے تھے اور یہ کوئی گناہ نہیں اس لیے کہ قلبی محبت کی کمی بیشی پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔(۸)

۴......شیطان بعض اوقات انسان کو توبہ کی امید دلا کر گناہ پر آمادہ کر لیتا ہے حالانکہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ توبہ کی توفیق ملنے تک زندہ بھی رہے گا یا نہیں۔(۸)

لقطہ کا شرعی حکم:

۵......ان آیات کے ضمن میں علماء نے ''لقطہ'' کے مسائل بھی بیان کیے ہیں، لقطہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کو راستے میں گری پڑی مل جائے، جیسے یہوذا نے مشورہ دیا تھا کہ اسے کنویں میں ڈال دو کوئی مسافر اسے اٹھا لے گا، تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اللہ کا کوئی بندہ یوسف کو لقطہ سمجھ کر اٹھا لے گا، اصطلاح کے اعتبار سے اس قسم کے لاوارث بچے کو لقیط اور عام اشیاء کو ''لقطہ'' کہا جاتا ہے۔

لقطہ کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ اگر وہ بالکل ہی معمولی یا جلد خراب ہونے والی چیز ہو تو اسے اٹھانے اور استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً کسی پھل یا کھجور کا ایک آدھ دانہ، اور اگر اس کی قیمت دس درھم یا اس سے زائد ہو تو اس کے اٹھانے والے پر لازم ہے کہ کامل ایک سال تک اس کا اعلان کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کے حوالے کر دے اور اگر ایک سال اعلان کے بعد اٹھانے والے نے اسے استعمال کر لیا یا صدقہ کر دیا تو مالک کو اختیار ہے، چاہے تو اس کی قیمت اٹھانے والے سے وصول کر لے یا اسے معاف کر دے۔

واضح رہے کہ دس درھم کا وزن دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی کے برابر

ہوتا ہے تو آج کے حساب سے اس کی قیمت معلوم کر لینی چاہیے۔

مقررہ مدّت تک اعلان کرنے کے بعد کیا اٹھانے والا اس گمشدہ چیز کا مالک ہوسکتا ہے؟ احناف کہتے ہیں کہ اگر وہ مالدار ہے تو نہ وہ مالک بن سکتا ہے اور نہ ہی اس سے کسی طرح کا فائدہ اٹھا سکتا ہے بلکہ اسے چاہیے کہ وہ فقراء اور مساکین میں بطور صدقہ تقسیم کردے البتہ اگر وہ خود غریب ہو تو صدقے کے طور پر اسے اپنے اوپر خرچ کرسکتا ہے، احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ''لقطہ'' اٹھانے والا امیر ہو یا غریب وہ لقطہ کا مالک بن جاتا ہے لیکن اگر مستقبل میں کبھی بھی اس کا اصل مالک آ گیا تو اسے اس کی قیمت دینی پڑے گی۔{۲۰}

برادرانِ یوسف کی سازش

﴿۱۱......۱۸﴾

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ

بولے اے باپ! کیا بات ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر؟ اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں O بھیج اس کو ہمارے ساتھ کل کو

وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ

خوب کھائے اور کھیلے اور ہم تو اس کے نگہبان ہیں O بولا مجھ کو غم ہوتا ہے اس سے کہ تم اس کو لے جاؤ اور ڈرتا ہوں اس سے

الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ

کہ کھا جائے اس کو بھیڑیا اور تم اس سے بے خبر رہو O بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا اور ہم ایک جماعت ہیں قوت ور تو تو ہم

اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ

نے سب کچھ گنوا دیا O پھر جب لے کر چلے اس کو اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اس کو گمنام کنوئیں میں اور ہم نے

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ

اشارہ کردیا اس کو کہ تو جتائے گا ان کو ان کا یہ کام اور وہ تجھ کو نہ جانیں گے O اور آئے اپنے باپ کے پاس اندھیرا

{۲۰} (دیکھیے الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، کتاب اللقطۃ، جلد ۴/۳۶۶-۳۷۶)

عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا

پڑے روتے ہوئے O کہنے لگے اے باپ! ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب کے پاس پھر اس کو

فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ

کھا گیا بھیڑیا اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا اور اگرچہ ہم سچے ہوں O اور لائے اس کے کرتے پر لہو لگا کر جھوٹ، بولا یہ

بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۚ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۚ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

ہرگز نہیں بلکہ بنادی ہے تم کو تمہارے جیوں نے ایک بات، اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر

عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

جو تم ظاہر کرتے ہو O

تسہیل: باہم مشورہ کے بعد سارے بھائی اپنے والد کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے، ابا جان! کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے اور اسے اکیلے ہمارے ساتھ کہیں جانے نہیں دیتے؟ حالانکہ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں O کل ہمارا تفریح کے لیے جنگل جانے کا پروگرام ہے، آپ یوسف کو بھی ہمارے ساتھ جانے دیں تاکہ یہ وہاں کھا پی کر اور کھیل کود کر خوش ہو اور ہم اس کی حفاظت کی پوری ذمہ داری لیتے ہیں O یعقوب علیہ السلام نے کہا، تمہارے لے جانے کے بعد مجھے اس کی جدائی کا غم پریشان کرتا رہے گا اور یہ اندیشہ ستاتا رہے گا کہ کہیں تمہاری غفلت میں اسے کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے O انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارے جیسے طاقتور جتھے کی موجودگی میں اسے کوئی بھیڑیا کھا جائے تو ہمارے جیسا نکما اور نامراد کون ہوگا O پھر جب یعقوب علیہ السلام کی اجازت کے بعد وہ یوسف کو جنگل میں لے گئے اور انہوں نے متفقہ فیصلے کے بعد اسے کنویں میں ڈال ہی دیا تو ہم نے یوسف پر وحی بھیجی کہ مایوس اور پریشان نہ ہونا، ایک وقت ایسا آئے گا جب تم انہیں ان کی کارستانی کے بارے میں بتاؤ گے اور انہیں تو خبر ہی نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے O یہ حرکت

کرنے کے بعد وہ رات کے وقت اپنے والد کے پاس روتے ہوئے آئےO اور بولے، ابا جان! ہم دوڑ میں مقابلہ کرتے ہوئے دور نکل گئے اور یوسف کو اپنے سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑ گئے تو اسے بھیڑیا کھا گیا، ہم جانتے ہیں کہ آپ کو ہماری بات کا یقین نہیں آئے گا اگرچہ ہم سچے ہوںO اور وہ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے، یعقوب علیہ السلام نے یہ داستان سن کر کہا، اس میں حقیقت کچھ نہیں، یہ سب تمہاری من گھڑت کہانی ہے، اب صبر ہی بہتر ہے اور تم جو کچھ بیان کر رہے ہو میں اس پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوںO

﴿تفسیر﴾

﴿۱۱﴾...... برادرانِ یوسف آپس میں مشورہ کرنے کے بعد اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زوردار انداز میں یوسف کے لیے اپنی محبت اور خیر خواہی کا اظہار کیا۔

﴿۱۲﴾...... پھر ان کے سامنے یوسف کی پکنک کا پروگرام پیش کیا کہ کل اسے جنگل میں ہمارے ساتھ بھیج دیجیے، وہاں یہ پھل بھی کھائے گا اور کھیلن کودے اس کی جسمانی ورزش بھی ہوگی۔ خود تو وہ مویشی چرانے کے لیے جاتے ہی تھے اب یوسف کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے، بدویانہ زندگی میں جی بہلانے کے مختلف طریقوں میں پکنک کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے، شعرائے جاہلیت کے قصائد میں اس کا ذکر کثرت سے ملتا ہے، تمدنی ترقیات اور شہری سہولیات کی فراوانی کے باوجود آج بھی عربوں میں صحراؤں اور پہاڑوں میں خیمہ زن ہو کر پکنک کا خاصا رواج ہے۔

تورات کہتی ہے کہ برادرانِ یوسف اپنے مویشی چرانے کے لیے "شکم" کی

طرف گئے ہوئے تھے، ان کے پیچھے خود یعقوب علیہ السلام نے یوسف کو روانہ کیا تھا۔{۲۱} مگر یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے حسد کا حال جانتے ہوئے یوسف کو اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں روانہ کریں، اس حوالے سے قرآن ہی کا بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا منصوبہ بھائیوں نے خود ہی بنایا تھا بلکہ ان کے اندازِ کلام سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ وہ پہلے بھی اس قسم کی کوشش کر چکے تھے، کیونکہ انہوں نے شکوہ کے انداز میں اپنے والد سے کہا تھا کہ ”کیا وجہ ہے آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے؟“ یقیناً کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ضرور پیش آیا ہوگا جس سے انہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہمیں شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ:

﴿۱۳﴾...... باپ نے کہا، تمہارے لے جانے کی صورت میں ایک تو مجھے اس کی جدائی کا غم ہوگا، دوسرے یہ اندیشہ پریشان کرتا رہے گا کہ اسے کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے، اس لیے کہ جنگل میں بھیڑیے کثرت سے ہیں، انبیاء اپنی خصوصیات اور کمالات کے باوجود انسان ہی ہوتے ہیں اور وہ عوارض اور حالات جو انسانوں پر آتے ہیں وہ ان پر بھی آتے ہیں، حزن اور خوف، غصہ اور محبت، بیماری اور بھوک، تھکاوٹ اور نیند یہ سب طبعی عوارض ہیں، نہ یہ نبوت کے منافی ہیں نہ ولایت کے، اس لیے کسی کے ذہن میں یہ اشکال نہیں آنا چاہیے کہ شرفِ نبوت سے سرفراز ہونے کے باوجود حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ غم اور اندیشہ کیوں کر لاحق ہوا؟

یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ لڑکوں نے باپ کے منہ سے بات پکڑ لی، جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہی واقعہ بنا کر لے آئے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ لڑکوں نے

{۲۱} ”اور اس کے بھائی اپنے باپ کے گلے چرانے کے لیے سِکم کو گئے، تب اسرائیل نے یوسف سے کہا...... آ! میں تجھے ان کے پاس بھیجوں۔“ (عہدِ عتیق، تکوین باب ۳۷: ۱۲-۱۳/۲۵)

کل جو افسانہ تراشنا تھا اللہ نے آج ہی اپنے پیغمبر کی زبان سے اس کی طرف اشارہ کروادیا۔

﴿۱۴﴾......لڑکوں نے کہا، "اگر ہمارے جیسی جماعت کی موجودگی میں چھوٹے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے تو سمجھو کہ ہم بالکل ہی گئے گزرے ہیں۔اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا کہ دس گیارہ تنومند بھائیوں کی آنکھوں کے سامنے ایک کمزور بچہ بھیڑیے کے منہ میں پہنچ جائے، ایسا ہو تو کہنا چاہیے کہ ہم نے اپنا سب کچھ گنوادیا۔{۲۲}

﴿۱۵﴾...... بسا اوقات قرآن ایسی جزئیات ذکر نہیں کرتا جن کا ادراک سیاق وسباق میں غور کرنے سے خود بخود ہو جائے، جیسے یہاں قرآن نے یہ نہیں بتایا کہ بیٹوں کی پُرفریب یقین دہانی کے جواب میں باپ نے کیا کہا، مگر اسلوب بتا رہا ہے کہ ان کی یقین دہانی کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بادل نخواستہ ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی کو جنگل میں لے جا کر ایک ویران کنویں میں ڈال دیا اور یوں اپنے خیال میں ہمیشہ کے لیے اس سے جان چھڑالی۔

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ﴾ وہ اللہ جو مخلوق کے ہر حال سے باخبر ہے، جس کا فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے اور جو تنگی کے بعد آسانی پیدا کرتا ہے، اس نے یوسف کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ حالات ایک سے نہیں رہیں گے، گمنامی کے اندھیروں میں ضائع ہو جانا تمہارا مقدر نہیں، تمہیں وہ منصب عطا کیا جائے گا جہاں فائز ہونے کے بعد تم اپنے بھائیوں کو ان کی کارستانیوں کی بابت بتاؤ گے۔

﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ یہ معنی بھی کرسکتے ہیں کہ وہ پہچان ہی نہ سکیں گے کہ تم یوسف

{۲۲} (تفسیر عثمانی/۳۰۷-دارالتصنیف)

ہو، کیونکہ وہ تو اپنے خیال میں یوسف کا قصہ تمام کر چکے، اور یہ معنی بھی صحیح ہے کہ آج انہیں خبر ہی نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ یہ اپنی تدبیریں کر رہے ہیں اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا ہے۔

جھوٹے آنسو:

﴿۱۶﴾...... برادرانِ یوسف رات گئے روتے ہوئے اپنے والد کے پاس آئے، یا تو مسافت زیادہ ہوگی جس کی وجہ سے دیر ہوگئی یا جان بوجھ کر اندھیرا چھا جانے کے بعد گھر میں داخل ہوئے کہ دن کے اجالے میں باپ کو منہ دکھانا مشکل تھا۔

امام اعمش نے خوب فرمایا کہ برادرانِ یوسف کا گریہ و پکار سننے کے بعد ہم کسی شخص کو محض چشمِ اشکبار سے سچا نہیں کہہ سکتے۔

﴿۱۷﴾...... انسان کی طبیعت ہے کہ ایک جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے کئی جرائم کرتا ہے، اسی کو کہتے ہیں کہ ایک گناہ انسان کو دوسرے گناہ تک لے جاتا ہے، باپ اور اس کے محبوب بیٹے کے درمیان جدائی کے لیے جو کچھ برادرانِ یوسف کر آئے تھے، اس پر پردہ ڈالنے کے لیے انہوں نے ایک فرضی کہانی گھڑ لی، اپنے والد کی زبان سے بھیڑیے کے کھا جانے کا اندیشہ تو وہ سن ہی چکے تھے، انہوں نے اسی کو اپنی کہانی کی بنیاد بنا لیا، مگر چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق انہوں نے خود ہی محسوس کر لیا کہ ہماری بات میں وزن نہیں، اس لیے کہانی سنانے کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ آپ کو ہماری بات کا یقین نہیں آئے گا اگرچہ ہم سچے ہیں۔

مقامِ نبوت کا احترام:

﴿۱۸﴾...... کہانی میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے کسی جانور کا خون یوسف علیہ السلام کی قمیص پر لگا کر لے آئے، بعض روایات میں ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے قمیص

دیکھ کر استہزاء کے طور پر فرمایا:

﴿مـا احلمک یاذئب تاکل ابنی ولاتشق قمیصه﴾{۲۳} ''او بھیڑیے! تو کتنا ماہر اور عقلمند تھا، میرے بیٹے کو تو کھا گیا مگر اس کی قمیص کو پھٹنے نہ دیا۔''

تورات میں ہے:

''پھر انہوں نے یوسف کی قبا کو لیا اور ایک بکری کا بچہ مارا اور اسے اس کے لہو میں تر کیا اور انہوں نے اس بوقلموں قبا کو بھیجا اور اپنے باپ کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم نے اسے پایا، آپ اسے پہچانیے کہ یہ آپ کے بیٹے کی قبا ہے کہ نہیں اور اس نے اسے پہچانا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے، کوئی بُرا درندہ اسے کھا گیا، یوسف بے شک پھاڑا گیا۔''{۲۴}

تورات کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ باپ نے بیٹوں کے اس افسانے کو تسلیم کر لیا مگر قرآن اس کی تردید کرتا ہے، شاید قرآن نے خون اور قمیص کا ذکر اسی لیے کیا ہے تاکہ اس افسانے کا کھوکھلا ہونا ثابت کر دے جسے سن کر ایک عام آدمی بھی اس کے من گھڑت ہونے کو جان لیتا ہے چہ جائیکہ اللہ کا نبی جو کہ ذہانت وفراست میں عام انسانوں سے بہت آگے ہوتا ہے۔

﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص دیکھ کر اور کہانی سن کر فرمایا: ''یہ تمہاری من گھڑت کہانی ہے۔'' حقیقت جان لینے کے باوجود میں صبر کروں گا، نہ تو ہائے واویلا کروں گا اور نہ تم سے انتقام لوں گا، ایک طرف قرآن ہے جو یعقوب علیہ السلام کو صبر واستقامت کے ایک مثالی پیکر کے طور

{۲۳} (منیر ۱۲/۲۲۳، کبیر ۶، الجزء الثامن عشر/ ۴۳۱...... کبیر میں الفاظ ذرا مختلف ہیں مفہوم یہی ہے -م-ا-ش)
{۲۴} (عہدِ عتیق، تکوین باب ۳۷: ۳۱-۳۳/ص ۴۶)

پر پیش کرتا ہے، دوسری طرف تورات اور تلمود ہے جو انہیں اس موقع پر وہ کچھ کرتے دکھاتی ہے جو شاید غیر نبی مگر صابر وشاکر اور نیک انسان بھی نہ کرے۔

''تب یعقوب نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک بیٹے کے لیے ماتم کرتا رہا۔'' {۲۵}

کون کہتا ہے قرآن کے مضامین بائبل سے چرائے گئے ہیں؟ کتنے ہی داغ دھبے ہیں جو بائبل نے انبیاء کے پاک صاف دامن پر لگائے تھے اور قرآن نے بڑی مہارت سے انہیں صاف کر دیا، آپ ذرا ''سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا'' پر غور کیجیے، ہم نے اگر چہ بامحاورہ ترجمہ کرتے ہوئے یہ لکھ دیا ہے کہ ''یہ تمہاری من گھڑت کہانی ہے'' وگرنہ اس جملے کا لفظی ترجمہ یہ ہے ''تمہارے لیے تمہارے جی نے ایک بات بنادی ہے''، یعنی تم نفس کے دام میں پھنس گئے ہو اور اس نے ایک من گھڑت بات کو تمہارے سامنے خوشنما بنا کر پیش کر دیا ہے، صاف صاف یہ نہیں کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، نفرت کے بجائے ہمدردی کا اظہار ہے کہ نفس کے بہکاوے میں آ جانے کی وجہ سے تم قابلِ رحم ہو۔

غور فرمایئے! قرآن اللہ کے نبی کو کتنے اونچے مقام پر فائز دکھاتا ہے، جو کھلی زیادتی کرنے والوں کے سامنے ان کی زیادتی کی نشاندہی کے لیے ایسے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے جو ان کے جرم کو نہیں بلکہ عذر کو نمایاں کرتے ہیں۔

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ﴾ اس کا معنیٰ دو طرح سے کیا گیا ہے، ایک تو یہ کہ میرے لیے صبر کرنا ہی بہتر ہے، دوسرا یہ کہ صبرِ جمیل افضل ہے غیرِ صبر سے، صبرِ جمیل اس صبر کو کہا جاتا ہے جس میں نہ شکوہ اور ہائے واویلا ہو اور نہ ہی جذبۂ انتقام اور مالکِ حقیقی پر اعتراض ہو بلکہ اللہ کے فیصلے اور اس کی تقدیر پر رضا کا جذبہ دل میں

{۲۵} (عہدِ عتیق، تکوین باب ۳۷: ۳۱-۳۴/ص ۳۶)

پایا جاتا ہو{۲۶}اور یہ یقین ہو کہ اس حادثہ میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی۔

حکمت و ہدایت:

۱......دشمنی کی حالت میں باتیں دل سے گھڑ لینا، سخن سازی کی مشق کر لینا، بناوٹی زندگی اختیار کر لینا، فطرتِ بشری کے لحاظ سے ذرا بھی مستبعد نہیں۔(۱۱)

۲......مومن بھولا بھالا اور کریم ہوتا ہے، جیسے وہ خود جھوٹ اور فریب سے بچتا ہے دوسروں کے بارے میں بھی یہی گمان رکھتا ہے، چنانچہ وہ ایسے لوگوں کی بات پر یقین کر لیتا ہے جو اس کے سامنے قسم کھا کر کوئی دعوٰی کریں۔(۱۱)

۳......پکنک، تفریح اور کھیل کود میں اگر کوئی جزءِ معصیت کا نہ ہو تو جائز ہے{۲۷} محبت کرنے والے والدین اپنی اولاد کو اس کے مواقع فراہم کرتے رہتے ہیں۔(۱۲)

۴......خوف اور حزن طبعی امور میں سے ہیں، نہ مقامِ ولایت کے منافی ہیں نہ مقامِ نبوت کے، سرورِ دو عالم ﷺ نے اپنے لختِ جگر کی موت پر فرمایا تھا:

"انا بفراقک یا ابراھیم لمحزون" {۲۸}"اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر غمگین ہیں۔"(۱۳)

۵......انسانوں کو بھیڑیوں کے کھا جانے کے خطرناک واقعات جنگلات میں پیش آتے رہتے ہیں۔(۱۳) لہٰذا چھوٹے بچوں کو کسی با اعتماد اور باہمت سرپرست کے بغیر جنگل میں نہیں بھیجنا چاہیے۔

۶......ایسے مومن سے بھی کبیرہ گناہ ہو سکتا ہے جسے مستقبل میں اعلیٰ مقام ملنے والا ہو، برادرانِ یوسف نے بھی ارتکابِ جرم کے بعد توبہ کر لی تھی۔(۱۵) اور پھر مقامِ

{۲۶} ومعناہ الذی لاشکوی فیہ الی الخلق (کشاف ۲/۴۲۶) وقال مجاھد: فصبر جمیل، ای من غیر جزع (کبیر ۶، الجزء الثامن عشر/۴۳۱)

{۲۷} (ماجدی ۲/۵۸۳)

{۲۸} (بخاری ۱، کتاب الجنائز/۱۷۴)

ولایت تک پہنچ گئے تھے۔

۷......اللہ کی رحمت اپنے نیکوکار بندوں کے بہت قریب ہوتی ہے، وہ انہیں بے یارومددگار نہیں چھوڑتا، سخت آزمائشوں میں انہیں ثابت قدمی عطا فرماتا ہے۔(۱۵)

۸......ظالم رات کے اندھیرے میں مظلوم کا سامنا کرنے میں آسانی محسوس کرتا ہے۔(۱۶)
عربی محاورہ ہے "العین تستحیی من العین" (آنکھ، آنکھ سے شرماتی ہے۔)

۹......ہر آنکھ سے بہنے والے آنسو سچائی کی دلیل نہیں ہوتے۔(۱۶)

۱۰......تلوارزنی، نیزہ بازی، گھڑ دوڑ اور پیدل چلنے کے مقابلے میں حصّہ لینا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی ناجائز امر نہ ہو، مثلاً جوا، مخلوط ریس اور عریانیت وغیرہ۔(۱۷)
ہمارے آقا علیہ السلام نے پیدل بھی اور سواری پر سوار ہوکر بھی مقابلے میں حصّہ لیا تھا۔ دو مواقع پر تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی دوڑ لگائی تھی۔{۲۹}

۱۱......علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کا ذکر تین وجہ سے آیا ہے، ایک تو اس لیے کہ اس پر جھوٹا خون لگایا گیا، دوسرے اس لیے کہ عزیزِ مصر کی بیوی نے اسے پیچھے سے پھاڑ دیا تھا، تیسرے اس لیے کہ اسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا گیا تو ان کی بینائی واپس آ گئی۔

۱۲......فقہاء قمیص کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فقہی مسائل میں مثلاً قاتل کی تلاش اور قسامت کے لیے قرائن پر اعتماد کرنا جائز ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کے آلودہ ہونے کے باوجود اس کے پھٹن سے محفوظ رہنے سے اپنے بیٹوں کی دروغ گوئی پر استدلال کیا تھا۔

۱۳......ظلم، جھوٹ اور مصیبت کے مقابلے میں صبر کرنے سے تنگی کے بعد آسانی اور غم کے بعد خوشی میسّر آتی ہے۔

{۲۹}(ابوداؤد ۲، کتاب الجہاد/۳۵۵)

حضرت یوسف علیہ السلام کی خرید و فروخت

﴿۱۹......۲۲﴾

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۗ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۗ وَاَسَرُّوْهُ

اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پانی بھرنے والا، اس نے لٹکایا اپنا ڈول، کہنے لگا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے ایک لڑکا اور چھپالیا

بِضَاعَةً ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ

اس کو تجارت کا مال سمجھ کر اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں O اور بیچ آئے اس کو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی

وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِىْ

چونیاں، اور ہو رہے تھے اس سے بیزار O اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے

مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۗ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۡ

رکھ اس کو شاید ہمارے کام آئے یا ہم کرلیں اس کو بیٹا اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۗ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

اور اس واسطے کہ اس کو سکھائیں کچھ ٹھکانے پر بٹھانا باتوں کا اور اللہ طاقتور رہتا ہے اپنے کام میں ولیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۗ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝

نہیں جانتے O اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہم نے اس کو حکم اور علم اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو O

تسہیل: ایک قافلہ وہاں سے گزرا، انہوں نے پانی کے لیے اپنا سقہ بھیجا، اس نے کنویں میں ڈول ڈال کر باہر نکالا تو دیکھتے ہی پکار اٹھا، ارے قافلے والو! خوشخبری ہو یہ تو ایک لڑکا ہے، انہوں نے اسے سامانِ تجارت سمجھ کر محفوظ کرلیا، جو کچھ وہ کررہے تھے اللہ اس سے پوری طرح باخبر تھا O اہلِ کارواں نے یوسف کو بازارِ مصر میں حقیری قیمت یعنی چند دراھم کے عوض فروخت کردیا، اصل بات یہ ہے کہ ان کی نظر میں اس کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ تھی O اہلِ مصر میں سے جس نے یوسف کو خریدا، اس نے اپنی بیوی کو تاکید کی کہ اسے عزت و راحت کے ساتھ رکھنا، ممکن ہے کہ گھریلو کام کاج کے

سلسلہ میں ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا بنائیں اور یوں ہم نے یوسف کو سرزمینِ مصر میں ٹھکانہ دے دیا، مقصود یہ تھا کہ ہم اسے منتخب کرلیں اور اسے باتوں کی حقیقت تک پہنچنا سکھادیں اور اللہ اپنا حکم نافذ کرنے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اور جب یوسف اپنی جسمانی اور عقلی پختگی کی عمر کو پہنچ گیا تو ہم نے اسے حکمت اور علم عطا کردیا اور ہم نیکوکاروں کو یونہی جزا دیا کرتے ہیں O

﴿تفسیر﴾

﴿۱۹﴾......حجاز کے اسماعیلی تاجروں {۳۰} کا ایک قافلہ مدین سے مصر کی طرف جا رہا تھا، انہوں نے اپنے سقّہ کو آگے بھیج دیا تاکہ وہ ان کے لیے پانی تلاش کرے اور یہ اس کے قریب پڑاؤ ڈال سکیں، اس نے کنویں میں ڈول ڈالا تو یوسف علیہ السلام رسّی پکڑ کر ڈول میں بیٹھ گئے، ڈول باہر آیا تو کھینچنے والا خوشی اور تعجب کے ملے جلے جذبات کے ساتھ بے ساختہ پکار اٹھا: ''ارے قافلے والو! خوشخبری ہو، یہ تو ایک لڑکا ہے'' بے آباد کنویں سے بچے کا نکلنا باعثِ تعجب تھا ہی، حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن نے بھی سقّہ کو دیوانہ سا کردیا۔

﴿وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً﴾ قافلے والوں کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں اس کا کوئی والی وارث نہ نکل آئے اور یوں ہم مفت میں حاصل ہونے والی متاع سے محروم ہو جائیں، اس لیے انہوں نے اس واقعہ کو راز میں رکھنے کی کوشش کی اور اس ''متاع'' کی حفاظت کا بھی بڑا اہتمام کیا۔

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ تاجروں کی اپنی اسکیم تھی اور اللہ کی اپنی اسکیم تھی، تاجر خوش تھے کہ بازارِ مصر میں ایک غلام بیچ کر دو پیسے کمالیں گے اور اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ بالآخر اس غلام کو مصر کا حکمران بنا دیا جائے، اللہ کو تاجروں کی اسکیم کی خبر تھی مگر تاجر

{۳۰} روی أنهم من العرب الاسماعیلیین (منیر ۱۲/ ۲۳۰)

اللہ کی اسکیم سے بے خبر تھے۔

﴿۲۰﴾......تاجروں نے مصر پہنچتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو گنتی کے چند دراھم کے عوض فروخت کردیا{۳۱} انسان نے جس چیز کے حصول میں کوئی مشقت اٹھائی ہو، اس کی قدر و قیمت اس کے دل میں ہوتی ہے مگر اس غلام کی حیثیت ان کی نظر میں گری پڑی چیز سے زیادہ نہ تھی، پھر غلام بھی ایسا جو بظاہر بھگوڑا تھا، اندیشہ تھا کہ اس کے مالک اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک نہ پہنچ جائیں، اہلِ کارواں کو کیا خبر تھی کہ جس لڑکے کو وہ حقیر سی قیمت کے بدلے بازارِ مصر میں فروخت کررہے ہیں، وہ خانوادۂ نبوت کا چشم و چراغ، مستقبل میں اللہ کا نبی اور مصر کا حکمران بننے والا ہے۔

بعض حضرات نے ''وَشَرَوْهُ'' سے مراد برادرانِ یوسف{۳۲} لیے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ لوگ اِدھر اُدھر کہیں چھپے بیٹھے تھے، جونہی قافلے والوں نے یوسف کو کنویں سے نکالا، فوراً وہاں پہنچے اور ظاہر کیا کہ یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے، چونکہ اسے بھاگنے کی عادت ہے اس لیے اب ہم اسے فروخت کردینا چاہتے ہیں، چنانچہ انہوں نے یوسف کو اونے پونے میں انہی اسماعیلی تاجروں کے ہاتھ فروخت کردیا، بائبل کا بیان بھی یہی ہے{۳۳} مگر ہماری نظر میں پہلی توجیہ زیادہ راجح ہے۔

عزیزِ مصر کی فراست:

﴿۲۱﴾......وہ بردہ فروشی کا زمانہ تھا، دوسرے شہروں اور ملکوں کی طرح مصر میں بھی غلاموں کی منڈی لگتی تھی، خانوادۂ یعقوبی کے اس روشن چراغ کو بھی اسی منڈی میں

{۳۱} أی وباعه السيارة فی مصر بثمن قليل ناقص (المراغی ۱۲/۱۲۴)

{۳۲} الضمير المرفوع إمّا للأخوة (روح المعانی ۷، ۱۲/۳۰۷) الضمير فی قوله "وكانوا فيه من الزاهدين" عائد الى الاخوة فكذا فی قوله "وشروه" يجب ان يكون عائداً الى الاخوة (كبير ٦، الجزء الثامن عشر/۴۳۳ وما بعدها)

{۳۳} (عہدِ عتیق، تکوین باب ۳۷:۲۸/ص ۴۶)

فروخت کے لیے پیش کیا گیا، مصری حکومت کے ایک اعلیٰ عہدیدار کا وہاں سے گزر ہوا، قرآن نے اسے "عزیز" کہہ کر پکارا ہے جس کا معنیٰ ہے "ایسا با اقتدار شخص جس کا کوئی مدِ مقابل نہ ہو" بائبل میں اس کا نام "پوطیفرع" مذکور ہے{۳۴} اور یہ کہ وہ فرعون کا ایک امیر اور فوج کا سردار تھا۔

عزیزِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی جان لیا کہ یہ غلام نہیں بلکہ کسی بڑے خاندان کے فرزند ہیں، آپ کا چہرہ بشرہ اور نشست و برخاست بھی آپ کی طبعی شرافت اور حسب ونسب کی بلندی کی گواہی دے رہی تھی، اس لیے اس نے اپنی بیوی کو ہدایت کی کہ اس کے ساتھ وہ برتاؤ نہ کرنا جو مصر میں غلاموں کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ اس کی عزت وآبرو اور جذبات واحساسات کا خوب خیال رکھنا، شاید بڑا ہوکر یہ ہمارے کام آئے یا جب ہماری اولاد نہیں ہے تو ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین بندوں نے بڑی فراست اور دوراندیشی کا ثبوت دیا، جن میں ایک تو عزیزِ مصر تھا جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ "یوسف کو عزت وراحت کے ساتھ رکھنا" دوسری حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی، جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے والد سے درخواست کی تھی "اسے ملازم رکھ لیجیے کیونکہ اچھا ملازم وہی ہوتا ہے جو طاقتور اور امانتدار ہو"{۳۵} تیسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا تھا۔{۳۶}

﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ﴾ جیسے ہم نے یوسف کو قتل ہونے اور کنویں کی تاریکی

{۳۴} (عہدِ عتیق، تکوین باب ۳۹: ۱/ص ۴۸)
{۳۵} يَاأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ (القصص ۲۸/۲۶)
{۳۶} (روح المعانی ۷، ۱۲/۱۱/۳۱۱ ومابعدها...... علامہ ابنِ عربی رحمہ اللہ نے اس قول کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے قرطبی ۹/۱۳۸)

سے بچالیا یونہی ہم نے انہیں مصر جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک میں ایک ایسے گھرانے میں باعزت ٹھکانہ عطا فرمادیا جہاں رہ کر وہ بہتر انداز میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو نشوونما دے سکتے تھے، دوسری مصلحت اس میں یہ بھی تھی کہ ہم یوسف کو باتوں کی حقیقت اور خوابوں کی تعبیر میں مہارت عطا کر دینا چاہتے تھے تاکہ اس کے لیے مصر کی بادشاہی کی راہ ہموار ہو جائے۔

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ﴾ اس کائنات کا ذرّہ ذرّہ اور ہر واقعہ اور سانحہ گواہی دیتا ہے کہ بہر صورت امرِ الٰہی غالب آ کر رہتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے، علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے بعض حکماء کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ بھائیوں کے سامنے خواب بیان نہ کرنا، امرِ الٰہی غالب رہا اور یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے سامنے خواب بیان کر دیا، بھائیوں نے چاہا کہ اپنے معصوم بھائی کو قتل کر دیں، امرِ الٰہی غالب رہا اور یوسف زندہ و سلامت رہے، بیٹوں نے مصنوعی آہ و بکا سے باپ کو دھوکا دینا چاہا، امرِ الٰہی غالب رہا اور حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے دھوکہ میں نہ آئے۔'' {۳۷}

چونکہ انسان کا علم اور مشاہدہ محدود ہے، اس لیے وہ اللہ کے فیصلوں کی حکمت اور انجام سے بے خبر رہتا ہے، اس کی نظر صرف ظاہر میں الجھی رہتی ہے جبکہ اللہ نے باطن میں کئی راز پوشیدہ رکھے ہوتے ہیں جو اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوتے ہیں۔

﴿۲۲﴾......''جب یوسف اپنی جسمانی اور عقلی پختگی کی عمر کو پہنچ گیا تو ہم نے اسے حکمت اور علم عطا کر دیا'' تیس سے چالیس سال کے درمیانی عرصہ پر پختگی (اشد) کا

{۳۷} (قرطبی ۱۳۸/۹ اور ما بعدھا)

اطلاق ہوتا ہے، اس لیے کسی نے پچیس اور کسی نے تینتیس سال کی عمر کو پختگی کی عمر قرار دیا ہے{۳۸} لیکن زیادہ تر حضرات چالیس سال کی عمر مراد لیتے ہیں{۳۹} اور یہی نبوت کی عمر بتائی گئی ہے۔

﴿حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ لغت میں ''حکم'' کا لفظ فیصلہ، حکمت، حکومت اور حق و باطل میں تمیز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے{۴۰} انبیائے کرام علیہم السلام کے حوالے سے جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر حکمت کا معنی مراد لیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو علمِ نبوت کے ساتھ قوتِ فیصلہ اور حق و باطل میں تمیز کی صلاحیت بھی عطا فرماتے ہیں۔

﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یوسف علیہ السلام ابتداء ہی سے نیکوکار تھے، سیرت و کردار میں ممتاز اور دیانت و امانت، عفت و پاکدامنی جیسی صفات سے متصف، بچپن بھی بے داغ اور جوانی بھی پاک صاف، تاکہ نبوت ملنے کے بعد کسی کو ان کے ماضی پر انگلی اٹھانے کا موقع نہ مل سکے، اللہ تعالیٰ نے انہیں نیکوکاری کی جزا علم وحکمت کی صورت میں عطا فرمائی، ہر نیکوکار کو اللہ یونہی جزا دیا کرتے ہیں یعنی اس کی حیثیت اور استعداد اور اپنی مشیت کے مطابق اسے علم وحکمت سے نواز دیتے ہیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر نیکوکار کو منصبِ نبوت عطا کر دیا جاتا ہے یا یہ کہ عبادت و ریاضت، زہد وتقویٰ، ذکاوت و ذہانت اور حسنِ عمل کے ذریعے یہ عظیم منصب ہر کوئی حاصل کر سکتا ہے، نبوت تو سراسر اللہ کا ذاتی انتخاب ہوتا ہے، اس میں انسان کی اپنی محنت اور عمل کا کوئی دخل نہیں ہوتا، یہ الگ بات ہے کہ اللہ کا نبی نبوت ملنے سے پہلے بھی

{۳۸} "ولـمّا بلغ أشدّه" قدر الأطبا هذه السن بخمس وعشرين سنة...... قال ابن عباس: انها ثلاث وثلاثون سنة (المراغی ۱۲/۱۲۷)

{۳۹} وتمامه اربعون...... وقال الحسن: أربعون (روح المعانی ۷،۱۲/۳۱۴)

{۴۰} (مفردات/۱۲۶-۱۲۷)

صورت وسیرت اور کردار وعمل میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہوتا ہے۔

حکمت وہدایت:

۱......جسے اللہ بچانا چاہے اسے کوئی ہلاک نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور ارادہ سے ایسی تدبیر کرتا ہے جہاں تک انسانی عقل کی رسائی نہیں ہوسکتی۔(۱۹)

۲......خوش کن معاملہ دیکھ کر اظہارِ مسرت اور اس کا اعلان جائز ہے۔(۱۹)

۳......دین اور دنیا کے معاملات میں احتیاط کرنا جائز ہے۔(۱۹)

۴......انسان کو جو چیز محنت اور معاوضہ کے بغیر حاصل ہوجائے، اس کے دل میں اس کی قدر نہیں ہوتی۔(۲۰)

۵......قیمتی چیز، حقیر قیمت کے بدلے خریدی جاسکتی ہے۔(۲۰)

۶......آزاد انسان کی خرید وفروخت حرام ہے اور اگر اس کا سودا کیا جارہا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ فروخت ہونے سے انکار کردے، لیکن کسی بڑے نقصان سے بچنے کے لیے مصلحتاً خاموشی بھی اختیار کی جاسکتی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے سکوت کو ہم اسی پر محمول کریں گے، پھر بڑی بات یہ کہ اس وقت وہ پیغمبر تو خیر تھے ہی نہیں، نوعمر بھی تھے، علاوہ ازیں حالت بھی خوف اور ہیبت کی تھی......اس واقعہ سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ ضرر کے خوف سے کسی برائی پر سکوت اختیار کرنا منافیِ کمال نہیں(۲۰){۴۱}

۷......بعض انسانوں کو اللہ تعالیٰ ایسی فراست وبصیرت عطا فرماتا ہے کہ وہ چہرہ دیکھ کر ہی مخفی صلاحیتوں اور نسبی اور ذاتی شرافت کا اندازہ لگالیتے ہیں جیسے عزیزِ مصر نے اندازہ لگالیا۔(۲۱)

۸......قدرت اور علم ایسی نعمتیں ہیں جن سے انسان کو کمال حاصل ہوتا ہے، حضرت

{۴۱}(بیان القرآن حصہ اول، جلد۵/۷۱)

یوسف علیہ السلام کو دونوں حاصل ہوئیں، مصر جیسے متمدن ملک میں باعزت ٹھکانہ بھی مل گیا اور ''تاویل الاحادیث'' یعنی حقائق تک رسائی کا علم بھی اللہ نے عطا فرما دیا۔ (۲۱)

۹......اسلام میں منہ بولے بیٹے کا اب کوئی تصور نہیں، کسی کو بیٹا بنانے سے اس کے لیے بیٹے والے احکام ثابت نہیں ہوتے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اسلام کے ابتدائی زمانے میں بیٹا بنایا تھا۔

۱۰......خوابوں کی تعبیر اور حقائق تک رسائی کا علم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

۱۱......حسنِ جزا مشروط ہے حسنِ نیت اور حسنِ عمل سے یعنی اچھی جزا کا حقدار وہ ہوتا ہے جس کی نیت بھی اچھی ہو اور عمل بھی اچھا ہو۔ (۲۲)

ایک اور آزمائش

﴿۲۳......۲۹﴾

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ

پھسلایا اس کو اس کی عورت نے جس کے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کر دیے دروازے اور بولی شتابی کر، کہا خدا کی

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ

پناہ! عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو، بے شک بھلائی نہیں پاتے جو لوگ کہ بے انصاف ہوں O اور البتہ عورت نے فکر کیا

وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ إِنَّهُ

اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا، اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی یوں ہی ہوا تا کہ ہٹائیں ہم اس سے برائی اور بے حیائی

مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا

البتہ وہ ہے ہمارے برگزیدہ بندوں میں O اور دونوں دوڑے دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے

لَدَا الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوْٓءًا إِلَّآ أَنْ يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

عورت کے خاوند سے دروازے کے پاس، بولی اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ قید میں ڈالا جائے یا عذاب دردناک O

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن

یوسف بولا، اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھاموں اپنے جی کو اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے اگر

قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ

ہے کرتہ اس کا پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا O اور اگر ہے کرتا اس کا پھٹا پیچھے سے

وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ

تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے O پھر جب دیکھا عزیز نے کرتا اس کا پھٹا ہوا پیچھے سے، کہا بے شک

إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ

یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا البتہ تمہارا فریب بڑا ہے O یوسف! جانے دے اس ذکر کو اور عورت! تو بخشوا اپنا گناہ

مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿٢٩﴾

بے شک تو ہی گناہ گار تھی O

تسہیل: جس عورت کے گھر میں یوسف رہتے تھے وہ ان پر فریفتہ ہو کر انہیں ورغلانے لگی، ایک دن اس نے گھر کے دروازے بند کر لیے اور کہنے لگی، یوسف! بس آ جاؤ، یوسف نے کہا معاذ اللہ! میں یہ ظلم کیسے کر سکتا ہوں جبکہ تمہارا شوہر میرا آقا ہے، اس نے مجھے عزت اور راحت سے رکھا ہے، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پا سکتے O اس عورت نے تو برائی کا ارادہ کر ہی لیا تھا، یوسف بھی ارادہ کر لیتے اگر انہوں نے اپنے رب کی واضح دلیل نہ دیکھ لی ہوتی، اس طرح ہم نے یوسف کو بچا لیا تا کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں، وہ ہمارے منتخب بندوں میں سے تھا O اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اور اس نے یوسف کا کرتا پیچھے سے پھاڑ دیا، اچانک انہوں نے دیکھا کہ اس عورت کا شوہر دروازے کے پاس کھڑا ہے، وہ بول اٹھی کہ وہ شخص جو تمہاری اہلیہ کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے، اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ یا تو اسے جیل میں ڈال دیا جائے یا کوئی دوسری دردناک سزا دی جائے O یوسف نے کہا، میں نے برائی نہیں کی بلکہ اسی نے مجھے ورغلانے کی

کوشش کی تھی، اس موقع پر اسی عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ جھوٹی اور یہ سچا ہے O جب اس کے شوہر نے دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس نے کہا، یہ تم عورتوں کا فریب ہے، بے شک تمہارا فریب بڑا غضب کا ہوتا ہے O پھر اس نے یوسف سے کہا جو کچھ ہو چکا اسے بھول جاؤ اور اپنی بیوی سے کہا اپنے گناہ کی معافی مانگو، بے شک تم ہی خطاوار ہو O

﴿تفسیر﴾

﴿۲۳﴾...... عزیزِ مصر کی بیوی حضرت یوسف پر فریفتہ ہوگئی، آپ کے بے مثال حسن و جمال نے اسے دیوانہ سا کر دیا، یوسف کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے چھوٹی موٹی حرکتیں تو نمعلوم اس نے کتنی کی ہوں گی، ایک دن وہ شرم وحیا کی ساری حدیں عبور کر گئی، اس نے گھر کے دروازے بند کر لیے اور یعقوب علیہ السلام کے لختِ جگر کو کھلے لفظوں میں دعوتِ گناہ دے ڈالی...... ایک اچٹتی سی نظر ترغیب اور کشش کے ان اسباب پر ڈال لیجیے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں جمع ہو گئے تھے، دعوت دینے والی عورت وہ ہے جس کے گھر میں آپ کا قیام ہے، میل ملاپ، باہم گفتگو اور خلوت کے مواقع بھی باربار میسّر آرہے تھے، شوہر کی تاکید اپنی جگہ مگر وہ جو اپنا دل حسن کی تجلّی کے سامنے ہار ہو چکی تھی، کون جانے وہ کتنی سہولتیں مہیا کرتی ہوگی اور توجہ حاصل کرنے کے لیے کیا کیا جتن کرتی ہوگی، وہ کوئی معمولی عورت نہ تھی عزیزِ مصر کی بیوی تھی، یقیناً خود بھی دلکشی اور دلربائی کا مرقع ہوگی، کامل تنہائی کے لیے اس نے سارے دروازے بھی بند کر دیئے، نہ گھر میں کوئی فرد موجود نہ باہر سے کسی کی مداخلت کا خطرہ، دوسری طرف عین شباب کا زمانہ، تجرّد کی زندگی، قوت اور شہوت کا زور، طلب نہیں مطلوبیت،

وہ بھی دیوانگی کی حد تک پہنچی ہوئی، ان سارے زہد شکن دواعی کے جواب میں اللہ سے ڈرنے اور محبت کرنے والے بندے نے صرف ایک لفظ کہا اور شیطانی جال کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا، فرمایا، معاذ اللہ! یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے اللہ کی پناہ مانگنا واجب ہے، {۴۲} اور میں بھی انہی میں سے ہوں جو اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ضمیر بیدار کرنے کی کوشش:

﴿إِنَّهُ رَبِّيٓ﴾ پہلا جواب مذہبی سوچ اور خاندانی تربیت کے مطابق تھا تو دوسرا جواب انسانی نفسیات کے اعتبار سے آپ نے دیا، جس کے ذریعہ ایسی عورت کے ضمیر اور اخلاق کو آپ نے بیدار کرنے کی کوشش فرمائی جو شہوانی جذبات میں بالکل اندھی ہو چکی تھی، آپ فرمارہے ہیں کہ حرام کاری تو ویسے بھی بہت بڑا گناہ ہے اور وہ بھی اپنے اس محسن کی بیوی کے ساتھ جس نے مجھے پردیس میں باعزت ٹھکانہ دیا اور میرے اوپر اعتماد کرتے ہوئے سب کچھ میرے حوالے کر دیا، توریت میں ہے:

"لیکن اس نے نہ مانا اور اپنے آقا کی جورو سے کہا کہ دیکھ! میرا آقا کسی چیز سے، جو گھر میں میرے پاس ہے، واقف نہیں اور اس نے سب کچھ میرے ہاتھ میں کر دیا، اس گھر میں مجھ سے زیادہ کوئی بڑا نہیں۔" {۴۳}

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ "بہت سے جاہلی مذہبوں میں زنا کاری بجائے خود کوئی جرم ہی نہیں، البتہ حقوقِ شوہری میں خیانت جرم ہے، عجب نہیں جو اس وقت کے مصری مذہب میں بھی یہی ہو اور یہ ٹکڑا حضرت نے زلیخا کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے اضافہ کیا ہو؟ اری! تم تو شوہر دار عورت ہو، جواب کے اس جزء کو

{۴۲} وهذا اجتناب منه عليه السلام على أتم الوجوه واشارة الى التعليل بانه منكر هائل يجب ان يعاذ بالله (روح المعانی ۷،۱۲/۳۱۹)
{۴۳} (عہدِ عتیق، پیدائش باب ۳۹: ۹-۱۰/ص ۴۸)

جنہوں نے مرتبۂ پیمبری سے فروتر قرار دیا ہے، انہوں نے خود ہی بڑی سطحیت برتی ہے، یہ جواب تو حضرت کی احکیمانہ عظمت کا ایک گہرا ثبوت ہے۔" {۴۳}

بعض حضرات نے "اِنَّہٗ ربی" کی ضمیر کا مرجع اللہ کو قرار دیتے ہوئے معنی کیا ہے "اللہ میرا رب ہے" لیکن سیاق وسباق اس کی تائید نہیں کرتا، ویسے بھی خوفِ خدا سے عاری اور اخروی انجام سے بے خبر عورت کے سامنے اللہ کی قدرت اور اس کے علم وسمع کا ذکر بے فائدہ تھا، اس کے جذباتی ہیجان کو صرف اسی فقرے سے ٹھنڈا کیا جاسکتا تھا جو حضرت نے فرمایا، اس میں اگر ذرا بھی شرافت ہوتی تو وہ یہ ضرور سوچتی کہ اگر یہ اجنبی نوجوان اپنے آقا کے معمولی احسان کی وجہ سے میری دعوت کے باوجود اس سے بے وفائی کے لیے آمادہ نہیں تو مجھے اس سے کہیں زیادہ بے وفائی سے بچنا چاہیے کیونکہ میں اس کی بیوی ہوں، وہ مجھ پر اعتماد کرتا ہے اور اس نے مجھے اپنے گھر کی ملکہ بنا رکھا ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ہر گناہ کی طرح بدکاری بھی ظلم ہے اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاسکتا، دنیا میں بھی رسوا ہوتا ہے اور آخرت میں بھی رسوا ہوگا۔

غیر اختیاری وسوسہ:

﴿۲۴﴾......اس آیتِ کریمہ کے ابتدائی الفاظ کا ایک ترجمہ تو وہ ہے جو ہم نے "تسہیل" میں اختیار کیا ہے یعنی "اس عورت نے تو برائی کا ارادہ کر ہی لیا تھا، یوسف بھی ارادہ کر لیتے اگر انہوں نے اپنے رب کی واضح دلیل نہ دیکھ لی ہوتی" اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ آپ نے "واضح دلیل" دیکھ لی تھی اس لیے آپ کے دل میں برائی کا خیال پیدا ہی نہیں ہوا۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ "بشری تقاضے کے مطابق آپ کے دل میں بھی میلان پیدا ہوا تھا مگر جب انہوں نے واضح دلیل کو دیکھا اور یاد کیا تو ان کے لیے گناہ سے بچنا آسان ہوگیا" سوال اٹھا کہ دل میں برائی کا خیال پیدا ہونا کیا منصبِ نبوت کے منافی

{۴۳}(ماجدی ۲/۵۹۱)

نہیں؟ جواب دیا گیا، ہرگز نہیں، غیر اختیاری وسوسہ نہ ولایت کے منافی ہے نہ منصب نبوت کے، مواخذہ صرف ان اعمال پر ہوتا ہے جن سے بچنا انسان کے اختیار میں ہو پھر بھی نہ بچے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾{۴۵} "اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا۔"

سورۂ اسراء میں جناب نبی کریم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا﴾{۴۶} "اور اگر ہم آپ کو ثابت قدمی عطا نہ کرتے تو ممکن تھا کہ آپ ان کافروں کی جانب تھوڑے سے مائل ہو جاتے۔"

بلکہ حدیث سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص برائی کا خیال دل میں پیدا ہو جانے کے بعد محض اللہ کے ڈر سے اسے عملی جامہ پہنانے سے باز آ جائے تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

﴿قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال الله تبارك وتعالىٰ وقوله الحق: اذاهمّ عبدی بحسنة فاكتبوها له حسنة فان عملها فاكتبوها له بعشر امثالها واذاهمّ بسيئة فلا تكتبوها فان عملها فاكتبوها بمثلها فان تركها وربما قال فان لم يعمل بها فاكتبوها له حسنة﴾{۴۷}

"رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے اور اس کا فرمان سچ ہے: "جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو اور اگر وہ اس ارادے پر عمل بھی کرے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دو اور اگر وہ برائی کا ارادہ کرے اور اس سے وہ گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک گناہ لکھ دو، اور اگر وہ گناہ سے باز آ جائے تو اس کے لیے نیکی لکھ دو۔"

{۴۵} (البقرۃ۲/۲۸۶)
{۴۶} (الاسراء۱۷/۷۴)
{۴۷} (ترمذی ۲، ابواب التفسیر/۱۳۳)

﴿لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ جس برہان اور واضح دلیل کا اس آیت میں ذکر ہے، اس سے مراد کیا ہے؟ کسی نے کہا حکمِ الٰہی {۴۸} کسی نے منصب نبوّت {۴۹} کسی نے تقویٰ وطہارت {۵۰} اور کسی نے کہا وہ نورِ فطرت {۵۱} مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر رکھا ہے، جو لوگ اس نور کی قدر کرتے ہیں ان کے اندر یہ نور دن بدن قوی سے قوی تر ہوتا جاتا ہے اور جو اس کی قدر نہیں کرتے ان کے اندر ضعیف سے ضعیف تر، حتّٰی کہ بجھ ہی جاتا ہے، یہ سبھی مفہوم مراد لیے جاسکتے ہیں، زیادہ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقامِ نبوت یا مقامِ صدیقیت مراد لیا جائے اور جسے ان میں سے کوئی بھی مقام مل جائے اسے ہمہ وقت یہ حقیقت مستحضر رہتی ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے بلکہ یہ کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں، جیسا کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے احسان کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

"تم اللہ کی عبادت یوں کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، ورنہ کم از کم یہ یقین تو ضرور رکھو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔" {۵۲}

جسے یہ مقام نصیب ہو جائے وہ برائی کے قریب بھی نہیں پھٹکتا، حیا اور مراقبہ کی وجہ سے اس کے دل میں برائی سے نفرت بیٹھ جاتی ہے۔ جناب یوسف علیہ السلام کو ان میں سے ایک مقام ضرور حاصل تھا۔

گناہ سے رکنے کے دو مرتبے ہیں، پہلا مرتبہ یہ ہے کہ نفس کے ساتھ مجاہدہ کرتے

{۴۸} انّه حجة الله فی تحریم الزنا...... (کبیر۶، ۱۱ الجزء الثامن عشر/ ۴۴۳)
{۴۹} انّه النبوّة المانعة من ارتکاب الفواحش (حوالۂ مذکورہ)
{۵۰} والمراد برؤیته لها کمال ایقانه بها ومشاهدته لها واصله الی مرتبة عین الیقین (روح المعانی۷، ۱۲/ ۳۲۱)
{۵۱} هو برهان الله المأخوذ علی المکلفین من وجوب اجتناب المحارم (التفسیر المنیر ۱۲/ ۲۴۳)
{۵۲} (بخاری ۲، کتاب التفسیر/ ۷۰۴، مسلم ۱، کتاب الایمان/ ۲۷)

ہوئے اللہ کے ڈر سے گناہ سے اپنے آپ کو بچالیا جائے، یہ مرتبہ صلحاء کو حاصل ہوتا ہے، دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ کے مشاہدہ میں مستغرق ہونے کی وجہ سے گناہ سے نفرت محسوس ہو، یہ مرتبہ صدیقوں اور انبیاء کو نصیب ہوتا ہے، یہی وہ ''برھان'' ہے جو اللہ کے مخصوص بندے دیکھ لیتے ہیں، اس کی برکت سے صرف انہیں برائی سے دور نہیں رکھا جاتا بلکہ برائی کو بھی ان سے دور ہٹادیا جاتا ہے، اسی لیے تو فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ﴾ ''تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں''

﴿۲۵﴾...... حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا دونوں دروازے کی طرف دوڑے، یوسف بچاؤ کے لیے اور زلیخا گھیراؤ کے لیے، آپ کی قمیص کا پچھلا حصہ زلیخا کے ہاتھ میں آ گیا، اس نے پکڑ کر کھینچنا چاہا، اس کھینچا تانی میں کرتا پھٹ گیا مگر آپ گناہ سے بچ گئے، دونوں بھاگتے ہوئے دروازے تک پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں وہاں عزیزِ مصر کھڑا ہے، زلیخا نے پینترا بدلا اور مظلوم اور معصوم بننے کے لیے الزام یوسف علیہ السلام پر لگا دیا، نہ صرف الزام بلکہ سزا بھی سنادی یعنی جیل یا سخت عذاب، زلیخا کا زیادہ زور بدکاری پر نہیں بلکہ ''تیری بیوی کے ساتھ بدکاری'' پر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصر کی بگڑی ہوئی تہذیب میں اقدامِ زنا خود کوئی جرم نہ تھا بلکہ شوہر کی ناموس میں خیانت اصل جرم تھا۔

﴿۲۶-۲۷﴾...... ایک انداز زلیخا کا تھا، دوسرا انداز اللہ کے منتخب بندے کا ہے، زلیخا نے کہا تھا ''اس شخص کی کیا سزا ہے جس نے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا؟'' آپ نے جواب میں یہ نہیں فرمایا ''تیری بیوی نے مجھے پھسلانا چاہا'' بلکہ عزیزِ مصر کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے غائب کے صیغہ سے زلیخا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس

نے مجھے پھسلانے اور بہکانے کی کوشش کی تھی۔

﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ﴾ قرائن کی گواہی بالکل واضح تھی، دونوں کا دوڑتے ہانپتے دروازے تک پہنچنا، یوسف علیہ السلام کا آگے اور زلیخا کا پیچھے ہونا، پشت کی جانب سے قمیص کا پھٹ جانا، یہ سب چیزیں زلیخا کی کارستانی کی گواہی دے رہی تھیں، اتفاق سے زلیخا کے خاندان میں سے ایک شخص نے انہی قرائن کو مدار بناتے ہوئے ایک طرح سے فیصلہ ہی کر دیا...... یہ شخص کون تھا؟ کہا گیا کہ دودھ پیتا بچہ تھا، اس قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ:

"چار بچوں کو اللہ تعالیٰ نے گہوارہ میں قوتِ گویائی عطا فرمادی تھی یعنی فرعون کی بیوی کے بال سنوارنے والی کے بیٹے کو، یوسف کے گواہ، جریج کے صاحب اور عیسیٰ ابنِ مریم کو۔" {۵۳}

بعض حضرات نے اس گواہ سے زلیخا کا چچازاد بھائی مراد لیا ہے جو کہ عاقل و بالغ اور سمجھدار انسان تھا۔

ان دو کے علاوہ بھی متعدد اقوال تفسیروں میں منقول ہیں، مثلاً یہ کہ وہ "گواہ" انسان نہیں بلکہ حیوان یا جن تھا اور یہ کہ وہ انسان اور نہ ہی جن تھا بلکہ کوئی انوکھی مخلوق تھا جسے اللہ نے گواہی کے لیے پیدا کیا تھا، ان اقوال میں ان حضرات کو بڑی دلچسپی ہوتی ہے جو مبہمات اور عجائبات کی تلاش میں رہتے ہیں، حیرت اس بات پر ہے کہ قرآن واضح طور پر کہہ رہا ہے "اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی" اس وضاحت کے باوجود کہا جا رہا ہے کہ وہ حیوان یا جن یا کوئی جدید مخلوق تھا۔

{۵۳} (رواہ الحاکم فی تفسیر سورۃ التحریم بحوالہ المراغی ۱۳۵/۱۲ ...... وضعّفہ رجال الحدیث)

بہر حال گواہ نے یہ بات بتادی کہ سچ اور جھوٹ کی پرکھ کے لیے یوسف کی قمیص کو دیکھا جائے، اگر قمیص آگے سے چاک ہے تو یوسف جھوٹا اور زلیخا سچی، اور اگر پیچھے سے پھٹی ہوئی ہو تو یوسف حق پر اور زلیخا جھوٹی!

﴿۲۸﴾......گواہ کی گواہی کے مطابق جب عزیز نے کُرتا دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا، جس سے ثابت ہو گیا کہ یوسف نے ہاتھا پائی نہ کی تھی بلکہ وہ گناہ سے بچنے کے لیے زلیخا کی طرف پیٹھ کر کے بھاگ رہے تھے اور کُرتا جو پھٹا تو زلیخا کی دست درازی کی وجہ سے! اس واضح ثبوت کو دیکھ کر عزیز بے ساختہ بول پڑا ''بے شک یہ تم عورتوں کا فریب ہے۔'' ساتھ ہی اس نے عمومی انداز میں یہ بھی کہہ دیا کہ تمہارا فریب بڑے غضب کا ہوتا ہے، مردوں کے لیے ان کی حقیقت تک پہنچنا اور ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

بعض حضرات نے یہاں سے استدلال کیا ہے کہ بگڑی ہوئی عورتوں کا فریب شیطان سے بھی زیادہ طاقتور ہوتا ہے کیونکہ شیطان کے فریب کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾{۵۴} ''بے شک شیطان کی تدبیر کمزور ہے۔''

عورت کی مکاری کے لیے بعض اوقات کسی روایت کا سہارا بھی لے لیا جاتا ہے، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اس آیت کو بنیاد بنا کر ساری ہی عورتوں کو مکار اور فریب کار قرار دے دینا قطعاً غلط ہے۔

﴿۲۹﴾......معاملہ کی تہہ تک پہنچ جانے کے بعد عزیز نے یوسف سے درخواست کی کہ جو ہونا تھا ہو چکا، اسے بھول جاؤ، کسی کے سامنے اس کا ذکر مت کرنا اور زلیخا سے کہا کہ

{۵۴} (النساء ۴/۷۶)

اپنے معبود سے یا یوسف سے اپنے گناہ کی معافی مانگو کیونکہ قصور تمہارا ہی تھا۔

حکمت و ہدایت:

۱......زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ پر آمادہ کرنے کے لیے تین طریقے اختیار کیے، ناز و انداز اور سخن سازی سے ورغلانے اور اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، دروازے بند کرلیے اور کھلے لفظوں میں دعوت دی۔(۲۳)

۲......حضرت یوسف علیہ السلام نے دعوتِ گناہ کے جواب میں تین چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنا دفاع کیا: ☆ اللہ کی پناہ اور جسے اللہ کی پناہ حاصل ہوجائے وہ بچ ہی جاتا ہے۔ ☆ تمہارا شوہر میرا آقا اور محسن ہے۔ ☆ ظالم اور احسان ناشناس لوگ فلاح نہیں پاسکتے۔(۲۳)

۳......جو لوگ باری تعالیٰ کی ذات و صفات کا مشاہدہ اور مراقبہ کرتے ہیں، ان کے لیے گناہ سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔(۲۴)

۴......اللہ اپنے منتخب بندوں کی گناہوں سے خود حفاظت کرتا ہے۔(۲۴)

۵......اگرچہ "ھمّ" کا لفظ زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام دونوں کے لیے بولا گیا ہے۔ مگر دونوں کے "ھمّ" میں بڑا فرق ہے، پہلا گناہ میں داخل ہے اور دوسرا غیر اختیاری وسوسہ کی حیثیت رکھتا ہے، اسی لیے قرآن نے دونوں کو ایک لفظ میں جمع نہیں کیا بلکہ الگ الگ ذکر کیا ہے۔(۲۴)

۶......جس جگہ گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو اس جگہ کو چھوڑ دینا چاہیے جیسا یوسف علیہ السلام نے وہاں سے بھاگ کر اس کا ثبوت دیا۔(۲۵){۵۵}

۷......حالات کتنے ہی مخالف کیوں نہ ہوں اپنی طاقت کے مطابق گناہ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے لیے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی

{۵۵} (معارف القرآن ۵/۵۵)

صورت نکل ہی آتی ہے۔(۲۵)

۸......جھوٹی تہمت اور الزام کی صورت میں اپنی صفائی پیش کرنا انبیاء کی سنت ہے، ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنا توکل ہرگز نہیں۔(۲۶)

۹......معاملات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے علامات اور قرائن سے مدد لی جاسکتی ہے۔

۱۰......عورتوں کے فتنہ سے بچنا ضروری ہے کیونکہ ان کا فتنہ عظیم ہے، ایک حدیث میں ہمارے آقا علیہ نے فرمایا:

﴿ما أدع بعدي فتنة اضر علي الرجال من النساء﴾{۵۶} ''میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑا فتنہ نہیں چھوڑا۔''

ظاہر ہے اس سے بے حیا عورتیں ہی مراد ہو سکتی ہیں ورنہ حیادار عورت تو گھر کی زینت اور اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہوتی ہے، آوارہ عورت کی فتنہ گری کا حال اس عفیفہ سے پوچھئے جو اس قسم کی عورت کی دخل اندازی کی وجہ سے شوہر سے محروم ہوگئی ہو یا ان والدین سے پوچھئے جن کی اولاد غلط راستے پر چل کر اپنا سب کچھ تباہ کر چکی ہو۔

۱۱......گناہ پر پردہ ڈالنا مستحب اور اس کی اشاعت مکروہ ہے۔(۲۹)

چند عورتوں کا فریب اور ناکامی

﴿۳۰......۳۵﴾

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ

اور کہنے لگیں عورتیں اس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اس کے جی کو، فریفتہ ہو گیا اس کا دل اس کی

شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ

محبت میں، ہم تو دیکھتے ہیں اس کو صریح خطا پر ○ پھر جب سنا اس نے ان کا فریب بلوا بھیجا ان کو اور تیار کی

{۵۶} (ابن ماجہ، کتاب الفتن/۲۸۸)

وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا

ان کے واسطے ایک مجلس اور دی ان کو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری اور بولی یوسف نکل آ ان کے سامنے پھر جب دیکھا

رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۫ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿٣١﴾

اس کو سُشدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیں حاشا للہ نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ ○

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ

بولی یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تھا تم نے مجھ کو اس کے واسطے اور میں نے لینا چاہا تھا اس سے اس کا جی پھر اس نے تھام رکھا اور

لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا

بے شک اگر نہ کرے گا جو میں اس کو کہتی ہوں تو قید میں پڑے گا اور ہوگا بے عزت ○ یوسف بولا اے رب! مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے

يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٣﴾

جس کی طرف مجھ کو بلاتی ہیں اور اگر تو نہ دفع کرے گا مجھ سے ان کا فریب تو مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور ہو جاؤں گا بے عقل ○

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

سو قبول کر لی اس کی دعا اس کے رب نے پھر دفع کیا اس سے ان کا فریب البتہ وہی ہے سننے والا خبردار ○ پھر یوں سمجھ میں آیا لوگوں کی

مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٣٥﴾

ان نشانیوں کے دیکھنے پر کہ قید رکھیں اس کو ایک مدت تک ○

تسہیل: مصر کی چند عورتوں نے کہا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈال رہی ہے، اس کی محبت اس کے دل ودماغ پر چھا گئی ہے، ہمارے خیال میں تو وہ کھلی حماقت میں مبتلا ہے ○ جب عزیز کی بیوی نے عورتوں کی پرفریب باتیں سنیں تو انہیں پیغام بھیج کر بلوا لیا اور ان کے لیے خصوصی نشست گاہ تیار کی اور پھل کاٹنے کے لیے ان میں سے ہر ایک کو چھری بھی دے دی، پھر یوسف سے کہا کہ ان کے سامنے آ جاؤ، جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو ہکا بکا رہ گئیں اور انہوں نے پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہا سبحان اللہ! یہ انسان ہرگز نہیں بلکہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے ○ وہ بولی یہی تو ہے جس کی محبت کی وجہ سے تم مجھے ملامت کرتی تھیں، میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں

نے اسے ورغلانے کی کوشش کی تھی مگر اس نے اپنے آپ کو بچالیا اور اگر اس نے وہ کام نہ کیا جس کی دعوت میں اسے دیتی ہوں تو اسے جیل میں بھی ڈالا جائے گا اور یہ ذلیل بھی ہوگا○ یہ دھمکی سن کر یوسف نے دعا کی، اے میرے رب! مجھے قید خانہ زیادہ محبوب ہے اس چیز سے جس کی طرف یہ مجھے دعوت دے رہی ہیں، اور اگر آپ نے ان کے مکروفریب سے میری حفاظت نہ فرمائی تو ممکن ہے میں ان کی طرف مائل ہوکر جاہلوں جیسی حرکت کر بیٹھوں○ سو اس کے رب نے اس کی دعا قبول کرلی اور عورتوں کے مکروفریب سے اس کی حفاظت فرمائی، بے شک وہ دعاؤں کا سننے والا اور دلوں کا حال جاننے والا ہے○ یوسف کی پاکدامنی کی نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ یوسف کو کچھ وقت کے لیے جیل میں ڈال دیا جائے○

﴿تفسیر﴾

﴿۳۰﴾...... مصر کے بڑے گھرانوں سے تعلق رکھنے والی چند بیگمات کے ہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال اور عفت و عصمت کے ساتھ زلیخا کی دیوانگی کا چرچا شروع ہوگیا اور ان کے دل میں بھی اس جوانِ رعنا کو دیکھنے کی شدید خواہش پیدا ہوگئی جس نے زلیخا کے دل کا سکون چھین لیا تھا، انہوں نے بظاہر تعجب اور انکار کے لہجے میں کہا ”عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈال رہی ہے“ یعنی باوجودیکہ وہ سلطنت کے سب سے بڑے رکن کی اہلیہ اور یوسف اس کا غلام اور خادم ہے، وہ اس کے سامنے ذلیل ہوکر اسے ورغلانے اور بہکانے کی کوشش کررہی ہے، اس کے شوہر کے علم میں بھی سارا معاملہ آچکا ہے لیکن وہ پھر بھی باز آنے کے لیے تیار نہیں۔

﴿نِسْوَةٌ﴾ قرآن مجید میں عورتوں کا ذکر بصیغۂ جمع بیسیوں مرتبہ آیا ہے، ہر جگہ اس مفہوم کے لیے لفظِ ”نساء“ آیا ہے، اس عام لفظ کو چھوڑ کر قرآن میں صرف دو ہی

جگہ "نِسْوَۃٌ" آخر کیوں آیا ہے؟ (ایک تو یہی اور '' دوسری جگہ بھی اسی سیاق میں چند آیتوں کے بعد) اس سوال سے ایک عقدہ حل ہو جاتا ہے ''نسوۃ'' جمع تکسیر ہے، اس کو جمع قلت بھی کہتے ہیں اور یہ دلالت بھی کرتی ہے قلتِ عدد پر یعنی ایسی کہنے والیاں صرف چند ہی تھیں، جمع کثرت کے لیے لفظِ ''نساء'' آتا ہے۔

گویا قرآن نے یہ لفظ لا کر خود ادھر اشارہ کر دیا کہ ان بیویوں کی تعداد کچھ ایسی بڑی نہ تھی، یہ گنتی کی چند بیویاں تھیں، بیگم کی ہم سرو ہم چشم، چنانچہ روایتوں میں ان کی تعداد کل پانچ آتی ہے بلکہ بعض میں چار بھی۔'' {۵۷}

﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ ایسی محبت جو دل میں سوراخ کر کے اندر تک سرایت کر گئی ہے {۵۸} حتیٰ کہ اب اسے اپنی ذلت و عزت کی کوئی پرواہ نہیں، وہ بہر صورت اپنی خواہش پوری کرنا چاہتی ہے۔

﴿إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ''ہمارے خیال میں وہ کھلی گمراہی اور حماقت میں مبتلا ہے۔'' ان امیر زادیوں کی بحث جائز ناجائز اور ضلالت و ہدایت کے حوالے سے نہ تھی بلکہ یہ طعن و تشنیع محض اس لیے تھی کہ زلیخا تک ہماری باتیں پہنچ جائیں اور وہ انہیں اپنے محل میں بلا کر ''نظارے'' کا موقع فراہم کرے۔

انسان نہیں، دیوتا:

﴿۳۱﴾...... زلیخا تک ان غیبتوں اور زبان درازیوں کی خبر پہنچ گئی، کیسے نہ پہنچتی اس لعن طعن کا مقصد ہی یہ تھا، اس نے ان سب کو دعوت میں بلا بھیجا، مصر کے طبقۂ امراء کے رواج کے مطابق آنے والیوں کو اونچی مسندوں پر بٹھایا گیا اور دستر خوان پر دوسری

{۵۷} وكن فيما روى عن مقاتل خمسا...... وروى الكلبي انهن كنّ اربعا (روح المعاني ۱۲،۷/۳۳۹)

{۵۸} خرق حبه شغاف قلبها حتىٰ وصل إلى الفؤاد (كشاف ۲/۳۳۶)

چیزوں کے علاوہ چھری کانٹے بھی رکھ دیئے گئے، جب دعوت اپنے عروج پر پہنچی، گپ شپ اور جملہ بازی ہو رہی تھی، چھریاں ہاتھوں میں تھیں، زلیخا نے دفعۃً حضرت یوسف علیہ السلام کو سامنے آنے کے لیے کہا، آپ اس انداز سے کمرے سے باہر تشریف لائے کہ آنکھیں حیا سے جھکی ہوئیں، چہرے کے اردگرد نور کا ھالہ اور ہر قدم باوقار، سامنے وہ بیٹھی ہیں جن کا فتنہ سامان حسن راہ چلتے مسافروں کے قدم روک لیتا ہے، مگر جو جلوۂ ربانی کا مشاہدہ کر چکا اسے دائیں بائیں کی خبر ہی نہیں، نہ نظر اٹھی نہ زبان بہکی، حسینانِ مصر نے اس سراپائے نور کو جو دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئیں، پلک جھپکنا تک یاد نہ رہا اور چھریاں بجائے پھلوں کے ہاتھوں پر چل گئیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اپنی محبت کا یقین دلانے یا مرہم پٹی کے بہانے قریب تر بلانے کے لیے جان بوجھ کر ہاتھ زخمی کر لیے ہوں۔

﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ مادر پدر آزاد سوسائٹی سے تعلق رکھنے والیوں نے اس سے پہلے نہ ایسا حسین دیکھا تھا اور نہ ہی ایسا عفیف اور پاکباز، جو بازارِ حسن سے گزر جائے مگر آنکھوں سے حیا کا پردہ نہ ہٹے، بے ساختہ پکار اٹھیں یہ انسان نہیں کوئی فرشتہ ہے اور وہ بھی بزرگ تر! ایک صاحب نے ترجمہ کیا ہے "ارے یہ تو کوئی دیوتا ہے۔" یہ ترجمہ بھی خوب ہے۔

﴿۳۲﴾...... زلیخا کو کھل کر بولنے کا موقع مل گیا، اس نے کہا، جسے دیکھ کر تم حواس باختہ ہو گئیں اور چھریوں سے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے اور جسے تم نے انسان کے بجائے آسمانی اور نورانی مخلوق سمجھا، یہی ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھ پر ملامت کرتی ہو، تم اسے ایک نظر دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئیں، میرے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے جو اسے ہر دن اور ہر رات اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے اور حرکت وسکون میں

دیکھتی ہوں، میں اقرار کرتی ہوں کہ میں نے ہر طرح سے اس کا دل لبھانے کی کوشش کی، اس کے سامنے بن سنور کر بھی آئی اور ناز و انداز سے بھی اسے رام کرنا چاہا لیکن یہ میری طرف نظر اٹھاتا ہی نہیں، محبت کا جواب محبت سے دیتا ہی نہیں، لگتا ہے اس کے دل میں کسی اور کی محبت اس طرح سما گئی ہے کہ کسی دوسرے کی محبت کے لیے جگہ ہی نہیں رہی، اہلِ ایمان جانتے ہیں کہ وہ ''دوسرا'' اللہ کے سوا کوئی نہ تھا، جس کے دل میں اس کی پاک محبت سما جائے اس کے دل میں کسی عاشق اور معشوق کی ''ناپاک'' محبت کی گنجائش نہیں رہتی، یہ حال تو عام مومنوں کا ہے اور وہ تو یوسف تھے، نبی ابنِ نبی!

﴿وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ﴾ اظہارِ عشق اور عشوہ طرازی کا حربہ ناکام ہوتا دیکھ کر زلیخا دھمکیوں پر اتر آئی، وہ معمولی عورت نہ تھی، سینئر اور با اختیار وزیر کی سر چڑھی بیوی تھی اور ایسے معاشرے کا حصہ تھی جس میں اس جیسی عورتیں اپنے شوہروں سے ہر جائز ناجائز بات منوالیتی ہیں، اس لیے اس نے قسم کھا کر کہا کہ اگر یوسف نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو اسے جیل میں ڈال دیا جائے گا اور اسے ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا، یہ بھول گیا ہے کہ جو اسے عزت دے سکتے ہیں وہ ذلیل بھی کر سکتے ہیں، زلیخا کی یہ دھمکی جیل والی دھمکی سے بھی زیادہ سخت تھی اس لیے کہ معزز اور نیک انسان کے پاس ایمان کے بعد سب سے قیمتی سرمایہ عزت ہی ہوتی ہے۔

مصیبت نہ کہ معصیت:

﴿۳۳﴾...... سیاقِ کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دعوت میں موجود ساری امیر زادیاں یوسف کو سمجھانے بجھانے لگ گئی تھیں کہ اپنی مالکہ کو ناراض نہ کرو اور اس کی خواہش پوری کر دو، اللہ کے منتخب بندے نے جب اپنے آپ کو شہوت پرست لیڈیوں کے ہجوم میں گھرا ہوا پایا تو اپنے پروردگار کے سامنے ہاتھ اٹھا دیئے، میرے

رب! یہ مجھے تیری محبت سے محروم کر کے اپنی محبت، تیرے قرب سے ہٹا کر اپنے قریب اور تیری مناجات سے جدا کر کے اپنی سرگوشیوں میں مشغول دیکھنا چاہتی ہیں، بصورتِ دیگر جیل کے تاریک در ودیوار ہیں اور وہاں کی اذیت ناک زندگی! لیکن مجھے جیل کی مصیبت محبوب ہے تیری معصیت سے۔

﴿أَحَبُّ﴾ یہ اگرچہ اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے لیکن اس میں زیادتی کا معنیٰ نہیں پایا جاتا{۵۹} لہٰذا اس کا یہ معنیٰ نہیں کیا جاسکتا کہ ویسے تو مجھے ان لڑکیوں کی دعوت بھی محبوب ہے مگر اس کے مقابلے میں جیل زیادہ محبوب ہے بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان عورتوں نے میرے سامنے دو صورتیں پیش کی ہیں، جن میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری ہے، تو میں ان میں سے جیل جانے کی صورت کو پسند کرتا ہوں، آپ کا مصیبت کو معصیت پر ترجیح دینا دلیل ہے کمالِ صدیقیت کے مقام پر فائز ہونے کی۔{۶۰}

﴿وَإِلَّا تَصْرِفْ﴾ اے اللہ! اگر تو نے ان کے مکروفریب کو مجھ سے دور نہ ہٹایا تو میں بشری تقاضے کے مطابق ان کی طرف مائل ہو کر ان جاہلوں میں ہو جاؤں گا جو نفسانی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں، انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنے زہد وتقویٰ پر ناز نہیں ہوتا بلکہ ان کا سارا اعتماد اللہ کی ذات پر ہوتا ہے، وہی ڈگمگاتے قدموں کو ثبات اور گناہ کی تیز ہوا کے سامنے لرزتے دل کو قوت عطا فرماتا ہے{۶۱} یہی حال اولیاء اور صلحاء کا ہوتا ہے، علاوہ ازیں وہ علم وعمل کے ہر کمال کو اللہ کی جانب اور ہر کمزوری کو اپنی جانب منسوب کرتے ہیں۔

﴿۳۴﴾......یقین اور عجز والحاح کے ساتھ کی گئی دعا قبول ہوئی اور تقویٰ شکن ماحول

{۵۹} "أحب" الذی معناه أكثر حبا ولكن حولت العبارة......(نظم الدرر ۳۶/۴)
{۶۰} وهذا فی غاية مقامات الكمال انه مع شبابه...... ويختار السجن على ذلك خوفا من الله ورجاء ثوابه (ابن کثیر ۶۲۰/۲ ومابعدها)
{۶۱} دل هذا على ان احدالا يمتنع عن معصية الا بعون الله (قرطبی ۱۵۸/۹)

میں حضرت یوسف علیہ السلام کو عصمت پر ثابت قدمی عطا کردی گئی، دعوتِ گناہ دینے والی عورتوں کا مکروفریب ان سے ہٹا دیا گیا لہٰذا نہ تو آپ ان کی طرف مائل ہوئے اور نہ ہی کسی قسم کی جہالت کا آپ نے ارتکاب کیا۔

﴿السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ اللہ نے یوسف کو اس لیے بچالیا کیونکہ یہ اس کی صفتِ سمع اور علم کا تقاضا تھا کہ وہ اخلاص اور عاجزی کے ساتھ کی گئی دعا قبول کرتا اور دعا کرنے والے کی ذات سے مکروفریب اور گناہ کو دور ہٹا دیتا ہے۔

﴿۳۵﴾...... حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کے متعدد شواہد دیکھ لینے کے باوجود{۶۲} عزیز اور اس کے مشیروں نے یہی مناسب سمجھا کہ یوسف کو کچھ وقت کے لیے{۶۳} قید کردیا جائے، بدنامی سے کسی قدر بچاؤ بھی ہو جائے گا اور ان عورتوں کے سفلی جذبات بھی سرد ہو جائیں گے جو بہر صورت دامنِ یوسفی تارتار کرنے پر تلی بیٹھی تھیں۔

توریت میں ہے:

''اور یوسف کے آقا نے اس کو پکڑا اور ایک جگہ جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے، قید میں ڈالا۔''{۶۴}

حکمت وہدایت:

۱...... تجسّس اور تحقیق انسان کی فطرت میں ہے، یہ جو کچھ نہیں جانتا اسے جاننا چاہتا ہے۔(۳۰) یہی جذبہ تجسّس مصر کی عورتوں میں بھی تھا۔

{۶۲} وھی الشواھد الدالة علیٰ براء تہ علیہ السلام وطھارتہ (روح المعانی۷، ۳۵۵/۱۲)

{۶۳} والاولیٰ ان لایجزم بمقدار وانما یجزم بالمدة الطویلہ (روح المعانی ۷، ۳۵۷/۱۲)

{۶۴} (پیدائش باب ۳۹: ۲۰/ص ۴۹)

۲...... برائی کی خبر بہت جلد پھیل جاتی ہے بالخصوص ایسی خبر جس کے پیچھے عورتوں کا ہاتھ ہو۔(۳۰)

۳...... مغربی تہذیب میں عوت کی بے باکی اور آزادی دیکھ کر مصر کی اونچی سوسائٹی سے تعلق رکھنے والی خواتین کی آزاد خیالی اور رومانس پروری سمجھ میں آتی ہے۔

۴...... قید خانے کی تاریخ دنیا میں بہت قدیم ہے اور مصر کے اس عہد کی حکومت میں قید خانے نہ صرف موجود تھے بلکہ ایک سرکاری جیل کے علاوہ متعدد بڑے معابد کے تحت جیل موجود تھے البتہ جیل میں عیش وآرام کے ساز وسامان جواب موجود ہو گئے ہیں قدیم جیل خانے اس سے ناآشنا تھے۔{۲۵}

۵...... اللہ کے نیک بندے مصیبت برداشت کر لیتے ہیں مگر معصیت نہیں۔(۳۳)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جب مالٹا سے رہا ہو کر آئے تو بعض تلامذہ نے بڑھاپے میں جیل کی تکلیفوں پر دکھ کا اظہار کیا، آپ نے جواب میں فرمایا: ''الحمد للہ! بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے'' (اللہ کا شکر ہے مصیبت میں مبتلا ہوا تھا معصیت میں نہیں۔)

۶...... حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف گناہ سے بچنے کے لیے قید کو ترجیح دی ورنہ ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ مجھے جیل جانا محبوب ہے، بعض روایات میں ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے کہا''السجن أحبّ اليّ'' تو انہیں بذریعہ وحی کہا گیا، اے یوسف! تم نے خود اپنے لیے جیل کا انتخاب کر لیا، اگر تم یوں کہتے ''العافية أحبّ اليّ'' (مجھے عافیت زیادہ پسند ہے) تو تمہیں عافیت عطا کی جاتی۔{۲۶} ہمارے آقا ﷺ کا فرمان ہے کہ: ''بندہ اللہ سے جو کچھ مانگتا ہے ان میں سے بہترین چیز عافیت ہے۔''

{۲۵} (تفسیر ماجدی ۲/۲۰۰)
{۲۶} (قرطبی ۹/۱۵۸)

۷......حضرت یوسف علیہ السلام کا دعا میں یہ عرض کرنا کہ ’’اگر تو نے ان کے مکر وفریب سے میری حفاظت نہ فرمائی تو میں ان کی طرف مائل ہو کر جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا‘‘ یہ دعا ذرا بھی عصمت کے منافی نہیں، کیونکہ یہ عصمت بھی تو حفاظتِ الٰہی کی بدولت ہوتی ہے۔انبیاء علیہم السلام کی نظر اصل مؤثر کی طرف ہوتی ہے اس لیے ان کو اپنی عصمت پر ذرا بھی اعتماد اور ناز نہیں ہوتا۔{۶۷}

۸......حقیقی جہالت کا تعلق کسی کے خواندہ یا ناخواندہ ہونے سے نہیں ہوتا بلکہ سیرت وکردار سے ہوتا ہے، بدکردار اور بدعمل کو جاہل ہی کہا جائے گا اگرچہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہی کیوں نہ ہو(۳۳) اہلِ مغرب، جنہیں اپنے علم وتحقیق پر بڑا ناز ہے، درحقیقت جہالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔انہیں ہم ’’پڑھے لکھے جاہل‘‘ کہہ سکتے ہیں۔

۹......صبر واستقامت کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی یونہی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو اس کے ڈر سے اپنے آپ کو گناہ سے بچاتے اور ہر حال میں صراطِ مستقیم پر جمے رہتے ہیں۔(۳۴)

۱۰......اگر کسی کو قید کی دھمکی دے کر زنا پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے یہ فعلِ بد جائز نہیں۔

قید خانہ میں دعوتِ توحید

﴿۳۶......۴۲﴾

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۚ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ

اور داخل ہوئے قید خانہ میں اس کے ساتھ دو جوان، کہنے لگا ان میں سے ایک میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں شراب اور دوسرے نے

اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

کہا میں دیکھتا ہوں کہ اٹھا رہا ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہیں اس میں سے، بتلا ہم کو اس کی تعبیر ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکی والا ۝

{۶۷} (بیان القرآن، حصہ اوّل، جلد۵/۷۸)

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَٰلِكُمَا مِمَّا

بولا نہ آنے پائے گا تم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے مگر بتا چکوں گا تم کو اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے یہ

عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝٣٧

علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے، میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آخرت سے وہ لوگ منکر ہیں ۝

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ

اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا، ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا

شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝٣٨

کسی چیز کو یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ احسان نہیں مانتے ۝

يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝٣٩ مَا تَعْبُدُونَ

اے رفیقو قید خانہ کے! بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست؟ ۝ کچھ نہیں پوجتے ہو

مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ

سوائے اس کے مگر نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند حکومت نہیں ہے

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ

کسی کی سوائے اللہ کے، اس نے فرما دیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو یہی ہے راستہ سیدھا پر بہت لوگ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝٤٠ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ۖ وَأَمَّا

نہیں جانتے ۝ اے رفیقو قید خانہ کے! ایک جو ہے تم دونوں میں سو پلائے گا اپنے مالک (خاوند) کو شراب اور دوسرا جو ہے سولی دیا

الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ۚ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ۝٤١

جائے گا، پھر کھائیں گے جانور اس کے سر میں سے فیصل ہوا وہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے ۝

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ

اور کہہ دیا یوسف نے اس کو جس کو گمان کیا تھا کہ بچے گا ان دونوں میں، میرا ذکر کرنا اپنے مالک (خاوند) کے پاس سو بھلا دیا اس

رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ۝٤٢

کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے مالک (خاوند) سے پھر رہا قید میں کئی برس ۝

تسہیل: اور یوسف کے ساتھ دو اور نوجوان بھی جیل خانہ میں داخل ہوئے، ان میں

سے ایک نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا کہ شراب بنانے کے لیے انگور کا شیرہ نچوڑ رہا ہوں، دوسرے نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اس میں سے کھا رہے ہیں، آپ ہمارے خواب کی تعبیر بتا دیجیے ہم آپ کو نیک آدمی سمجھتے ہیں O یوسف علیہ السلام نے فرمایا، روزانہ تمہیں جو کھانا ملتا ہے، اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں خواب کی تعبیر بتا دوں گا، تعبیر بتانے کی یہ مہارت اس علم کا حصّہ ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، میں ان لوگوں کے دین سے بچتا ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی ہیں جو آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں O میں تو اپنے باپ دادا یعنی ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کے دین کی اتباع کرتا ہوں، ہمارے لیے مناسب ہی نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں، یہ عقیدۂ توحید ہم پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے O اے جیل خانہ کے ساتھیو! مجھے یہ بتاؤ کہ کیا متفرق معبود بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو سب پر غالب ہے؟ O تم اللہ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو، وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کے پیچھے حقیقت کچھ نہیں اور نہ ہی اللہ نے ان کے معبود ہونے کی کوئی سند اتاری ہے، یاد رکھو! ساری کائنات پر اقتدار صرف اللہ کا ہے، اس کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، توحید ہی سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اے میرے قید خانہ کے دوستو! جہاں تک تمہارے خواب کی تعبیر کا تعلق ہے، تو سن لو کہ تم میں سے ایک تو حسب سابق اپنے آقا کو شراب پلاتا رہے گا اور دوسرے کو سولی پر چڑھا دیا جائے گا، پھر پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے، جو بات تم مجھ سے پوچھ رہے تھے، اس کا فیصلہ یونہی ہو چکا O ان دونوں میں سے جس شخص کے بارے میں یوسف علیہ السلام کا خیال تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا، اس سے انہوں نے کہا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی

ذکر کر دینا لیکن شیطان نے اسے اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا پس وہ کئی سال تک جیل میں پڑے رہے O

تفسیر

﴿۳۶﴾......جس زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کرنے کا فیصلہ کیا گیا، اسی زمانے میں شاہی غلاموں میں سے دو غلاموں کو بھی جیل کی سزا سنائی گئی تھی، ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی اور دوسرا باورچی تھا، ان پر الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی کوشش کی تھی، توریت میں ہے:

''بعد ان باتوں کے یوں ہوا کہ شاہِ مصر کا ساقی اور نان پز اپنے خداوند شاہِ مصر کے مجرم ہوئے اور فرعون اپنے دو سرداروں پر جن میں ایک ساقیوں کا، دوسرا نان پزوں کا داروغہ تھا، غصّہ ہوا اور اس نے ان کو نگہبانی کے لیے جلوداروں کے سرداروں کے گھر میں اسی جگہ جہاں یوسف بند تھا، قید خانہ میں ڈالا۔''{۶۸}

چند دنوں بعد ان دونوں قیدیوں نے الگ الگ خواب دیکھا اور چونکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسنِ اخلاق اور فضل وکمال سے متاثر ہوچکے تھے، اس لیے انہوں نے تعبیر کے لیے آپ کی طرف رجوع کیا۔

﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ پھولوں کی خوشبو کی طرح کردار کی خوشبو بھی ایسی چیز ہے جسے چھپایا نہیں جاسکتا، کیا دوست اور کیا دشمن، اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی زبان سے اعتراف کر لیتا ہے اور کسی کو اعتراف میں جھجک محسوس ہوتی ہے، جب زنانِ مصر نے نظارۂ یوسفی کیا تھا تو کہہ اٹھی تھیں ''یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے'' اور جب جیل کے قیدیوں نے ان کے شب وروز دیکھے اور ان کی وسعتِ علمی اور حسنِ سیرت کا مشاہدہ کیا تو بلا توقف اعتراف کر لیا ''ہم تمہیں نیک

{۶۸} (عہدِ عتیق، تکوین باب ۴۰: ۱-۳/ص ۴۹)

آدمی سمجھتے ہیں'' یہ تأثر اور اعتراف دو قیدیوں تک محدود نہ تھا بلکہ توریت کہتی ہے کہ داروغہ جیل تک ہر کوئی آپ سے متاثر تھا۔

''قید خانہ کے داروغہ نے سب قیدیوں کو جو قید میں تھے، یوسف کے ہاتھ میں سونپا اور جو کچھ وہ کرتے اسی کے حکم سے کرتے تھے اور قید خانہ کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اس کے ہاتھ میں تھے، بے فکر تھا۔'' {۶۹}

جذبۂ دعوت:

﴿۳۷﴾...... حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت مل چکی تھی اور اللہ کے نبی دعوت کے بغیر نہیں رہ سکتے، عام طور پر انبیاء کی دعوت سے مظلوم، غریب اور پسے ہوئے لوگ زیادہ متاثر ہوتے ہیں، جیل میں زیادہ تر یہی لوگ تھے، آپ کو موقع مل گیا کہ آپ انہیں توحید کی دعوت دیں، آپ کی دعوت پیغمبرانہ مزاج اور اسلوب کا اعلیٰ نمونہ ہے، آپ نے فوری طور پر نہ تو بت پرستی کی مذمت فرمائی اور نہ ہی ان کے آباء واجداد کو برا بھلا کہا، آپ نے پہلے تو انہیں تسلی دی کہ روزانہ تمہارے لیے جو کھانا آتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہارے خوابوں کی تعبیر بتادوں گا {۷۰} تاکہ وہ پریشان نہ ہو جائیں کہ ہم کیا مقصد لے کر آئے تھے اور انہوں نے کیا قصہ چھیڑ دیا ہے، پھر اپنے علم کے بارے میں بتایا کہ یہ وہ علم نہیں ہے جس کی بنیاد پر مصر کے جوتشی، نجومی اور کاہن غیبی امور کے بارے میں پیشنگوئیاں کرتے اور انکل پچو سے عوام کو مرعوب کرتے ہیں بلکہ یہ علم خالص عطاءِ ربانی ہے، {۷۱} مصر میں چلتے عملیات اور اپنے علم میں فرق کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ تعبیر میں مہارت میرا ذاتی کمال

{۶۹} (عہدِ عتیق، پیدائش ۳۹: ۲۲-۲۳/ ص ۴۹)

{۷۰} اخبرتکما بتاویل ماقصصتهما علیّ قبل أن یاتیکما ذلك الطعام الموقت (روح المعانی ۷، ۱۲/۳۶۳)

{۷۱} علمنی ربی بوحی منه إلیّ لابکهانة ولاعرافة......(المراغی ۱۲/۱۴۶)

نہیں بلکہ سراسر فضلِ الٰہی کا نتیجہ ہے، یوں انہیں اپنی دعوت قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرلیا، انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت میں جو حکمت وبصیرت، تیسیر اور تدریج اور نفسیات شناسی ہوتی ہے، وہ سب کچھ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت میں کارفرما نظر آتا ہے۔

﴿اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ﴾ جو دین قوم کا تھا وہی ان نوجوانوں کا تھا، اس کے باوجود یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تمہارا دین چھوڑ دیا ہے تاکہ ان کے دل میں بُعد اور نفرت نہ پیدا ہو جائے بلکہ یہ فرمایا کہ میں نے اس قوم کا دین چھوڑ دیا ہے جس میں میری تربیت ہوئی۔

﴿تَرَكْتُ﴾ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے میں مشرکوں کے مذہب پر تھا اور اب میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس مشرکانہ مذہب کو اختیار ہی نہیں کیا{۲۷} اور بت پرستوں کی کبھی اتباع کی ہی نہیں، اصل میں ترک کا لفظ دو معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، کسی کام کو کبھی بھی نہ کرنا اور دوسرا یہ کہ کرنے کے بعد چھوڑ دینا، یہاں یہ پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مصری مختلف بتوں کی پرستش کرتے تھے، فراعنۂ مصر اور گائے بھی ان کے معبودوں میں شامل تھے اور سب سے بڑا دیوتا آفتاب کو مانتے تھے۔

﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ مصری اگرچہ آخرت پر ایمان رکھتے تھے مگر اس طریقے سے ایمان نہیں رکھتے تھے جس طریقے سے ایمان رکھنے کا حکم اللہ اور اس کے رسولوں نے دیا ہے بلکہ عقیدۂ آخرت میں انہوں نے اپنے خودساختہ نظریات بھی شامل کرلیے تھے، مثلاً یہ کہ ان کے فرعون انہی اجسام میں دوبارہ زندہ ہو جائیں گے

{۲۷} الترك عبارة عن عدم التعرض للشئی ولیس من شرطه ان یکون قد کان خائضا فیه (کبیر۲، الجزء الثامن عشر/۴۵۶)

جن اجسام میں انہیں حنوط کرنے کے بعد دفن کیا گیا ہے اور ان کا تاج وتخت بھی انہیں دوبارہ واپس مل جائے گا، اسی لیے جب وہ فرعونوں کی آخری رسوم ادا کرتے تھے تو ان کا اسلحہ اور زیورات وغیرہ بھی ان کے ساتھ رکھ دیتے تھے اور ان کی ممیوں کی حفاظت کے لیے ایسے اہرام تعمیر کرتے تھے جن کے طرزِ تعمیر اور مضبوطی نے جدید دور کے انجینئرز اور سائنسدانوں کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔

﴿۳۸﴾......مخاطبین کے دل میں مزید شوق پیدا کرنے کے لیے اپنا خاندانی تعارف بھی کرا دیا کہ کہیں معمولی غلام اور عام قیدی سمجھ کر میری دعوت کو نظر انداز نہ کر دینا، میں اس خاندان کا فرد ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے دعوتِ توحید کے عنوان سے صرف کنعاں ہی میں نہیں بلکہ ہر جگہ عزت وشہرت عطا کی ہے۔

﴿مَا كَانَ لَنَآ﴾ ہم جو کاروانِ نبوت سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں، ہمارے لیے مناسب ہی نہیں کہ ہم کسی بھی قسم کا شرک کریں۔{۷۳}

﴿ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ یہ عقیدۂ توحید ہم پر اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں اس کی ہدایت دی۔

﴿عَلَى النَّاسِ﴾ ان لوگوں پر بھی فضل ہے جن کے لیے ہمیں رسول بنا کر بھیجا گیا۔{۷۴}

﴿۳۹﴾......مصری بھی دوسری مشرک قوموں کی طرح متعدد خداؤں کو مانتے تھے،

{۷۳} "ما کان" ای ماینبغی ...... من للتاکید کقولك ماجاء نی من أحد (قرطبی ۹/۱۶۳) ایک طرف قرآن ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کی زبان سے کہلواتا ہے کہ ہم ذرہ برابر شرک نہیں کر سکتے، دوسری طرف بائبل ہے جو بتاتی ہے کہ عیسو بن اسحاق بت پرست تھا جبکہ اس کا جڑواں بھائی یعقوب موحد تھا، اس کے باوجود اسحاق عیسو سے زیادہ محبت کرتا تھا اور یعقوب نے دھوکہ دہی کے ذریعے اس اسحاق سے برکت لے لی تھی حالانکہ وہ عیسو کا حق تھا اس لیے کہ عیسو شکم مادر سے یعقوب سے پہلے نکلا تھا......... قرآن اور بائبل کی ہدایت میں کتنا فرق ہے؟

{۷۴} "وعلى الناس" اذا جعلنا الرّسل اليهم (قرطبی ۹/۱۶۳)

اس لیے فرمایا، اے جیل کے ساتھیو! یہ بتاؤ متعدد معبود بہتر ہیں جن کے درمیان تصادم اور تنازع کا ہمیشہ امکان رہے گا یا وہ اکیلا اللہ جو سب پر غالب ہے؟ کیا ارض وسما اور کیا انسان، جن اور ملائکہ، سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔

﴿۴۰﴾......اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو اور جن کے لیے تم نے یہ مختلف نام تجویز کر رکھے ہیں، تو وہ حقیقت میں صرف نام ہیں جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں، تم انہیں ''رب'' کہتے ہو حالانکہ ان کے اندر رب والی کوئی بات نہیں، نہ پیدا کر سکتے ہیں نہ رزق دے سکتے ہیں اور نہ ہی نفع نقصان ان کے اختیار میں ہے۔

﴿مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ علاوہ ازیں تمہارے پاس کوئی ایسی آسمانی دلیل بھی نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ انہیں ''رب'' کا نام دینا صحیح ہے اور ان کی ایسی عبادت واطاعت اور تعظیم جائز ہے جو توحید کے منافی نہ ہو، جیسے طوافِ کعبہ کے وقت حجرِ اسود کو بوسہ دینا یا محبت وعقیدت سے ہاتھ لگانا نفلی عبادت ہے مگر ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حجرِ اسود نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ ہی نقصان۔

﴿اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں، نہ فرشتے اور جن کی، نہ ولی اور پیغمبر کی، نہ قبر اور درگاہ کی، نہ شجر و حجر کی، نہ شمس و قمر کی، نہ نہر اور دریا کی، نہ کسی حیوان اور کیڑے مکوڑے کی، تاریخِ انسانی کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کی عبادت کرنے والے مل جائیں گے بلکہ آج بھی گنگا اور جمنا، کالی مائی، بندر اور سانپ اور دوسری مخلوق کی پرستش کرنے والوں کی کمی نہیں۔

﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ ''توحید ہی سیدھا راستہ ہے جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔''

''قرآن مجید نے اس حقیقت کا اعلان دعویٰ کے ساتھ بار بار کیا ہے کہ دینِ فطرت اور انسانوں کا دینِ قدیم یہی مسلکِ توحید ہے اور شرک کی آمیزش بعد کو ہوئی ہے، انیسویں صدی کے ''روشن خیال'' مدتوں اس منزل میں بھٹکتے رہے اور یہی کہتے

گئے کہ انسان تو رفتہ رفتہ ارتقاء کے ذریعہ سے شرک سے توحید تک پہنچا ہے، یہاں تک کہ اب بیسویں صدی میں بڑے بڑے اہلِ سائنس کو بھی قائل ہونا پڑا کہ انسان کا قدیم ترین دین، دینِ توحید ہی تھا۔" {۷۵}

خواب کی تعبیر:

﴿۴۱﴾...... دعوتِ توحید کے بعد دونوں کو خواب کی تعبیر بتائی {۷۶} کہ تم میں سے جو ساقی ہے، وہ اپنے عہدے پر بحال ہو کر اپنے "رب" کو حسبِ سابق شراب پلائے گا اور دوسرے کو پھانسی دے دی جائے گی۔

﴿رَبَّهٗ﴾ بادشاہِ مصر پر "رب" کا اطلاق عبودیت کے اعتبار سے نہیں کیونکہ وہ بادشاہ خدائی کا دعویدار نہیں تھا بلکہ اس سے مراد مجازی آقا ہے اور لغتِ عرب میں اس پر رب کا اطلاق ہو سکتا ہے۔{۷۷}

﴿فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ﴾ "پرندے اس کے سر سے نوچ نوچ کر کھائیں گے"، ممکن ہے اس زمانے میں مجرم کو پھانسی دے کر عبرت کے لیے سولی پر چھوڑ دیا جاتا ہو یہاں تک کہ گوشت خور پرندے اس کی لاش کو نوچ نوچ کر کھا جاتے ہوں۔

﴿قُضِيَ الْاَمْرُ﴾ بعض تفسیروں میں ہے کہ تعبیر سننے کے بعد ان نوجوانوں نے کہا کہ ہم مذاق کر رہے تھے، ہم نے کوئی خواب نہیں دیکھا، آپ نے جواب میں فرمایا "جو بات تم مجھ سے پوچھ رہے تھے اس کا فیصلہ یونہی ہو چکا۔" {۷۸}

یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے چہرے دیکھ کر ان کے دل میں کھٹکنے والا سوال پڑھ لیا ہو

{۷۵} (ماجدی ۲/۲۰۸)

{۷۶} (توریت میں یہ سارا قصہ تو ہے مگر دعوتِ توحید کا ذکر بالکل نہیں)

{۷۷} ولا یقال الرب مطلقا الا للّٰہ...... وبالاضافہ لہ ولغیرہ (المفردات/۱۸۴)

{۷۸} قیل: جحدا وقالا: مارأینا شیئا...... فاخبرهما ان ذلك کائن صدقتما أو کذبتما (کشاف ۲/۳۴۴) لماقالا ماقالا وأخبرهما قالا: مارأینا شیئا، فقال: قضی الأمر......(ابن کثیر ۲/۶۲۳)

کہ آپ جو کچھ فرمار ہے ہیں یہ کوئی ظنی چیز ہے یا قطعی، آپ نے ان کا تردد دور کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ قطعی بات ہے اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہے، جس جزم اور وثوق کے ساتھ آپ نے انہیں جواب دیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی تعبیر مکاشفہ اور الہامِ الٰہی کے ماتحت تھی۔

﴿۴۲﴾......وہ ساقی جس کے بارے میں آپ کا گمان تھا کہ وہ قید سے رہا ہو جائے گا، آپ نے اس سے کہا کہ کوئی مناسب موقع دیکھ کر بادشاہ کے سامنے ہمارا ذکر کر دیجیو کہ ایک بے گناہ شخص جیل میں بند ہے{۷۹} اور اس کے اس قسم کے حالات اور اخلاق ہیں۔{۸۰}

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں ظن یقین کے معنی میں ہے{۸۱} لہٰذا کسی کو یہ اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ پہلی آیت میں جو تعبیر مذکور ہے اس سے تو قطعیت ثابت ہو رہی ہے جبکہ یہاں ظن کا ذکر ہے، علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مستقبل کے بعض حالات کے بارے میں انبیاء کو اللہ کی طرف سے اجمالی علم دیا جاتا ہے، ان دو غلاموں کے بارے میں آپ کو جو کچھ بتایا گیا تھا، اس میں وقت کا تعین بھی نہیں تھا اور یہ بھی احتمال تھا کہ اس کے نفاذ میں اللہ کی تقدیر آڑے آ جائے، تقدیرِ معلّق میں یہی ہوتا ہے، باری تعالیٰ کی طرف سے کسی معاملے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے مگر وہ مشروط ہوتا ہے، شرط نہ پائی جائے تو مشروط بھی نہیں پایا جاتا۔

اس تاویل کے پہلے جزء کی تائید میں حضورِ اکرم ﷺ کے اس خواب کو بھی پیش کیا

{۷۹} اخبرہ أنّی مظلوم محبوس بلاذنب (قرطبی ۱۶۵/۹)
{۸۰} أی أذکرنی لدی سیدك الملك بما رأیت منی وما سمعت وعلمت من أمری (المراغی ۱۵۲/۱۲)
{۸۱} ویکون الظن بمعنی الیقین (کشاف ۴۴۵/۲)...... تحمل هذا الظن علی العلم والیقین وورود لفظ الظن بمعنی الیقین کثیر فی القرآن (کبیر ۱۸۰۶/۲۶۰)

جا سکتا ہے جو آپ نے ۶ ھ میں مکہ میں داخل ہونے اور بیت اللہ کے طواف کے بارے میں دیکھا تھا اور شدتِ اشتیاق کی بناء پر صحابہ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کی تعبیر اس سال سامنے آ جائے گی چنانچہ وہ آپ کی قیادت میں روانہ بھی ہو گئے مگر قریش کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے مکہ میں داخل نہ ہو سکے اور انہیں عمرہ کیے بغیر واپس آنا پڑا۔

نسیان کی سزا؟

﴿فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ﴾ نسیان کسی کو بھی ہو سکتا ہے، کافر اور فاجر تو کیا صاحبِ تقویٰ مومن بلکہ اللہ کا نبی بھی بھول سکتا ہے اور اس کی نسبت بالعموم شیطان کی طرف کی جاتی ہے۔ سید المرسلین ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ {۸۲}

”اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ حکم بھلا دے تو یاد آنے پر تم ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔“

سورۂ اعراف میں اپنے متقی بندوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ {۸۳}

”جن لوگوں کے دل میں تقویٰ ہوتا ہے، ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر کبھی شیطانی خیال ان کے قریب سے بھی گزر جائے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور سمجھ جاتے ہیں کہ ان کے لیے درست طریقہ کیا ہے۔“

بعض حضرات نے ”فانساہ الشیطان“ کا معنیٰ کیا ہے ”شیطان نے یوسف کو اپنے رب یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا تھا“ {۸۴} جس کی سزا اللہ نے ان کو یہ دی کہ وہ

{۸۲} (الانعام ۶/۶۸)

{۸۳} (الاعراف ۷/۲۰۱)

{۸۴} (”فانساہ“ یقال ان الضمیر عائد الی یوسف علیہ السلام (ابن کثیر ۲/۶۲۴) ”فانساہ الشیطٰن“ وفیہ قولان: الأول انہ راجع الی یوسف (کبیر ۶، الجزء الثامن عشر/ ۶۴۱)

کئی سال تک جیل میں پڑے رہے، اس تفسیر پر وہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر یوسف وہ کلمہ نہ کہتے جو انہوں نے کہا تو وہ اتنا عرصہ جیل میں نہ رہتے جتنا عرصہ انہیں رہنا پڑا، انہیں یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے غیر اللہ سے تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔'' {۸۵}

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ ''بھولنے والا'' ساقی نہیں تھا بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور آپ کچھ دیر کے لیے نسیان کا شکار ہو گئے تھے، تو بھی آپ سزا کے حقدار نہیں ٹھہرتے کیونکہ نسیان ایسا گناہ نہیں جس پر کسی کو سزا دی جائے، یہ غیر اختیاری چیز ہے اور نبی اور غیر نبی ہر کسی کو ہو سکتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اگر ساقی سے کہا تھا کہ ''آقا کے سامنے میرا بھی ذکر کر دینا'' تو اس سے یہ درخواست کر کے آپ نے عادی اسباب میں سے ایک سبب سے کام لیا تھا اور اسبابِ عادیہ سے کام لینا بالکل جائز ہے، مصائب و آلام کے ازالہ اور بیماریوں سے شفا کے لیے مخلوق سے مدد لینے میں قطعاً کوئی حرج نہیں، یہ مناسب نہیں کہ جب کوئی مومن بندہ اپنے مسئلہ کے حل کے لیے کوئی جائز سبب اختیار کرے تو ہم یہ کہیں کہ شیطان نے اسے اللہ کا ذکر بھلا دیا تھا، اللہ کو یاد رکھتے ہوئے بھی ظاہری اسباب اختیار کیے جا سکتے ہیں۔

یہ ساری تقریر ہمیں اس لیے کرنی پڑی تا کہ نبی کی عصمت پر کوئی حرف نہ آئے اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ اللہ کے نبی سے ایسا جرم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ سزا کے مستحق ہو گئے، البتہ یہ اصول اپنی جگہ صحیح ہے کہ ''حسنات الأبرار سیئات

{۸۵}(بحوالہ ابنِ کثیر ۲/۶۲۴) اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''وهذا الحديث ضعيف جدا'' (یہ حدیث بے حد کمزور ہے۔)

المقرّبین" (نیک بندوں کی نیکیاں مقربین کی غلطیاں شمار ہوتی ہیں۔)
حدیث کوضعیف مان لینے کی صورت میں اس تاویل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔
﴿بِضْعَ سِنِيْنَ﴾ عربی میں "بضع" کا اطلاق تین سے نو پر ہوتا ہے، اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو سات سال جیل میں رہنا پڑا تھا۔{۸۶}

حکمت و ہدایت:

۱......کائنات میں ظاہر ہونے والے امور اگرچہ انسان کو اتفاقات محسوس ہوتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کے طے کردہ معاملات کا حصہ ہوتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو نوجوانوں کا جیل میں داخل ہونا بظاہر اتفاق تھا مگر آگے چل کر انہی میں سے ایک نوجوان آپ کی باعزت رہائی اور پھر مملکت کے سب سے بڑے عہدے تک رسائی کا ذریعہ بنا۔(۳۶)

۲......حضرت یوسف علیہ السلام کا جیل میں داخل ہونا ایسے واقعات کی ابتداء تھی جو اگرچہ بظاہر مایوس کن تھے مگر انہی کے بطن سے امید کا سورج پوری آب و تاب سے طلوع ہوا۔(۳۶)

۳......جیل میں جانا کسی کے مجرم ہونے کی دلیل نہیں، اللہ کے بے شمار نیک بندے بھی جیل کی کال کوٹھڑیوں میں رہے ہیں۔(۳۶) مگر یہ بھی روا نہیں کہ جو ایرا غیرا جیل میں چلا جائے وہ کہتا پھرے کہ میں نے "سنتِ یوسفی" زندہ کر دی ہے۔

۴......تعبیر میں مہارت علم و تقویٰ اور فراست کے تابع ہوتی ہے۔

۵......بعض خواب سچے ہوتے ہیں، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:
"مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔"{۸۷}

{۸۶} واتفق الأكثرون على أن المراد ههنا ببضع سنين، سبع سنين (كبير۱۸،۶/۲۶۳)
{۸۷} (بخاری ۲، كتاب التعبير/۱۰۳۵، مسلم ۲، كتاب الرؤيا/۲۴۱)

۶......قیدیوں نے یوسف علیہ السلام کے نیک ہونے کا اندازہ ان کے اچھے اخلاق اور عبادت سے لگایا! کیونکہ آپ بیماروں کی عیادت اور غمزدوں سے تعزیت فرماتے تھے۔{۸۸}

۷......جس انسان کے اندر اخلاق اور روحانی فضل و کمال ہو وہ بالآخر ظاہر ہو کر رہتا ہے۔(۳۶)

۸......داعی کو چاہیے کہ وہ دعوے سے قبل مخاطبین کو اپنے سے مانوس کر لے۔(۳۷)

۹......سامعین کے دل میں شوق پیدا کرنے کے لیے اپنی عالی نسبی کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔(۳۸)

۱۰......حسبِ موقع و مصلحت اپنے دین کو رجالِ اکابر کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔(۳۸)

۱۱......دین کے جو سچے داعی ہوتے ہیں وہ ہر وقت دعوت کے لیے مستعد اور بے تاب رہتے ہیں۔(۳۸)

۱۲......عقلی اور نقلی دلائل سے متعدد معبودوں کی تردید اور ایک معبود کے برحق ہونے کی تائید ہوتی ہے۔(۴۰)

جو معبودانِ باطلہ کے پرستار ہیں ان کے پاس صرف نام ہیں جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں۔(۴۰)

۱۳......کائنات میں بھی صرف اللہ کا حکم چلتا ہے اور شریعت میں بھی صرف اسی کا حکم چلتا ہے، حق صرف وہی ہے جسے وہ حق کہے اور باطل وہی ہے جسے وہ باطل قرار دے دے۔

۱۴......انسان کا قدیم دین توحید ہی رہا ہے، شرک کی آمیزش اس میں جہالت و حماقت کی وجہ سے ہوئی۔(۴۰)

۱۵......مشکل مسائل میں سوال اور استفتاء مشروع ہے۔(۴۱)

{۸۸} قال قتادة: کان یداوی مریضهم ویعزی حزینهم ویجتهد فی عبادة ربه (جصاص ۱۷۳/۳)

۱۶......صرف انبیاء کی تعبیر یقینی ہوتی ہے کیونکہ اس کی بنیاد وحی پر ہوتی ہے، غیر انبیاء کی تعبیر محض ظن پر مبنی ہوتی ہے۔(۴۲)

۱۷......مصائب وحوادث کے ازالہ کے لیے کسی مخلوق سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں خصوصاً اس سے جس پر احسان کیا ہو، احسان سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت سے ہر استعانت گوارا ہو جاتی ہے۔(۴۲){۸۹}

۱۸......شیطان کی تدبیروں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ انسان پر نسیان طاری کر دیتا ہے۔(۴۲)

بادشاہ کے خواب کی تعبیر

﴿۴۳......۴۹﴾

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ

اور کہا بادشاہ نے میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی ان کو کھاتی ہیں سات گائیں دبلی اور سات بالیں

سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا

ہری اور دوسری سوکھی، اے دربار والو! تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی

تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِي

تعبیر دینے والے O بولے یہ خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں O اور بولا وہ

نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ

جو بچا تھا ان دونوں میں سے اور یاد آ گیا اس کو مدت کے بعد میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر سو تم مجھ کو بھیجو O جا کر کہا اے یوسف! اے سچے! حکم دے

أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ

ہم کو اس خواب میں سات گائیں موٹی ان کو کھائیں سات دبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی

يَابِسَاتٍ لَّعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا

تا کہ لے جاؤں میں لوگوں کے پاس شاید ان کو معلوم ہو O کہا تم کھیتی کرو گے سات برس جم کر

{۸۹} (بیان القرآن، حصہ اوّل، جلد ۵/۷۹)

حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ

سو جو کاٹو اس کو چھوڑ دو اس کی بال میں مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ O پھر آئیں گے اس کے بعد سات برس سختی کے

شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ

کھا جائیں گے جو رکھا تم نے ان کے واسطے مگر تھوڑا سا جو روک رکھو گے بیج کے واسطے O پھر آئے گا اس کے پیچھے ایک برس اس میں

يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝

مینہ برسے گا لوگوں پر اور اس میں رس نچوڑیں گے O

تسہیل: بادشاہ نے اپنے درباریوں کو جمع کر کے ان سے کہا، میں نے عجیب خواب دیکھا ہے، سات موٹی گائیں تھیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا گئیں، اور یہ بھی دیکھا کہ سات بالیاں سبز ہیں اور سات بالیاں خشک ہیں، اے اہلِ دربار! اگر تم تعبیر کی صلاحیت رکھتے ہو تو میرے خواب کی تعبیر بتاؤ O درباریوں نے جواب دیا، اوّل تو یہ خواب نہیں بلکہ پریشان خیالات ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ہم خوابوں کی تعبیر کا علم بھی نہیں رکھتے O اور وہ شخص جو ان دونوں قیدیوں میں سے نجات پا گیا تھا، اسے ایک عرصہ کے بعد یوسف کا معاملہ یاد آ گیا، اس نے کہا اگر تم مجھے قید خانہ میں جانے کی اجازت دے دو تو میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں O اسے اجازت دے دی گئی چنانچہ اس نے قید خانہ میں پہنچ کر یوسف سے کہا، اے سچے انسان! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتاؤ کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا گئیں اور سات بالیاں سبز اور سات بالیاں خشک ہیں، تاکہ میں ان لوگوں کو جا کر بتاؤں جنہوں نے مجھے یہاں بھیجا ہے تاکہ وہ بھی آپ کے مقام اور مرتبہ کو جان لیں O آپ نے فرمایا تم لوگ مسلسل سات سال تک خوب غلہ اگاؤ گے، اس کے بارے میں میرا مشورہ یہ ہے کہ جو فصل بھی کاٹو اسے بالیوں سمیت رکھ چھوڑو البتہ تھوڑا سا غلہ، جو تمہارے کھانے کے کام آئے، وہ نکال لو O خوشحالی کے ان سات برسوں کے بعد سات سال سختی اور

قحط کے آئیں گے، وہ اس سارے ذخیرے کو کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے جمع کر رکھا ہوگا، بجز اس تھوڑی سی مقدار کے جسے تم نے بیج کی نیت سے محفوظ کیا ہوگا O اس طویل قحط سالی کے بعد ایک برس ایسا آئے گا جس میں خوب بارش ہوگی اور اس میں لوگ پھلوں سے رس نچوڑیں گے O

﴿تفسیر﴾

﴿۴۳﴾...... عجیب وغریب خواب نے بادشاہ کو خوف اور دہشت میں مبتلا کر دیا، اس نے اپنے وزیروں، مشیروں اور کاہنوں کو جمع کر کے ان سے اس کی تعبیر پوچھی، انہوں نے جواب دیا کہ یہ پریشان خیالات ہیں جو بد ہضمی، تھکاوٹ اور ان حالات کے نتیجے میں انسان کے حواس پر چھا جاتے ہیں جن حالات سے وہ دن بھر دوچار رہتا ہے۔

﴿وَمَا نَحْنُ﴾ اور ہم اس قسم کی پریشان خیالیوں کی تعبیر نہیں جانتے، البتہ اگر کوئی ڈھنگ کا خواب ہوتو ہم اس کی تعبیر بتا سکتے ہیں۔ دوسرا مطلب اس جملے کا یہ ہے کہ ہم کسی بھی قسم کے خواب کی تعبیر نہیں جانتے کیونکہ ان کی کوئی تعبیر ہوتی ہی نہیں۔

یہ واضح رہے کہ ملکِ مصر اس وقت سات صوبوں میں تقسیم تھا اور زراعت کی دیوی گائے کی مورت میں تھی۔

توریت نے اس خواب کو بھی حسب معمول بڑی طوالت سے بیان کیا ہے۔ {۹۰}

﴿الْمَلِكُ﴾ یہ بادشاہ کون تھا؟ اس کا کیا نام تھا؟ اس کا عہدِ سلطنت کب سے کب تک رہا؟ تاریخ ان سوالات کا صاف وواضح جواب دینے سے قاصر ہے، البتہ جیوش انسائیکلو پیڈیا نے سندِ ضعیف کے ساتھ اس کا نام اپوفس (APHOHIS) دیا ہے اور اس کی لمبی مدتِ سلطنت لکھی ہے {۹۱} بعض اور حوالوں میں بھی یہی نام ملتا ہے۔

{۹۰} (پیدائش ۴۱ :۱-۷)

{۹۱} (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۲/ص ۱۱)

توریت میں غالباً فرعونِ موسیٰ پر قیاس کر کے اس بادشاہ کا لقب بھی فرعون ہی درج کیا ہے{۹۲} لیکن تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ فرعون اس وقت تک شاہی لقب نہ تھا، یہ لقب فرمانروانِ مصر کا بہت بعد کو چلا، قرآن توریتِ مروّجہ کی کیسی کیسی باریک غلطیوں کی بھی اصلاح کرتا جاتا ہے۔

قرآن مجید اسی لیے بجائے اس اصطلاحی سرکاری لقب ''فرعون'' کے محض عام لفظ ''ملک'' لایا ہے۔{۹۳}

﴿۴۴﴾...... بادشاہ کا خواب اور اس کے درباریوں کا جواب سن کر ساقی کو حضرت یوسف علیہ السلام کا فضل وکمال اور ان سے کیا ہوا اپنا وعدہ یاد آ گیا، اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے جیل جانے کی اجازت دے دو۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جیل شہر سے باہر تھی۔{۹۴}

﴿۴۵﴾......ساقی جب خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے جیل میں پہنچا تو اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ''ایھا الصدیق'' کہہ کر خطاب کیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چند دن کی صحبت نے اسے آپ کے اخلاق کا گرویدہ بنادیا تھا۔

﴿الصِّدِّيقُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اقوال وافعال میں سچائی، حقائق تک رسائی اور تعبیر کی مہارت میں آپ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ بادشاہ کا خواب سنا کر ساقی نے تعبیر پوچھی، ساتھ ہی یہ بھی عرض کردیا کہ جب میں بادشاہ اور اس کے حواریوں کو جا کر تعبیر بتاؤں گا تو امید ہے کہ وہ بھی آپ کا علمی مقام جان لیں گے،{۹۵} جب آپ کا مقام اور مرتبہ ان پر کھلے گا تو

{۹۲} (دیکھیے پیدائش باب ۴۰-۴۱)
{۹۳} (ماجدی ۲/۱۱۱)
{۹۴} قال ابن عباس: لم یکن السّجن فی المدینة (نظم الدّرر ۴/۵۱)
{۹۵} "یعلمون" انی لأرجو أن یحقق الله أملك بالخروج من السجن وانتفاع الملك وملئه بفضلك وعلمك (المراغی ۱۲/۱۵۵)

آپ کی رہائی کی صورت بھی بن جائے گی، بعض حضرات نے ''لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ'' کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ بادشاہ اور اس کے وزراء خواب کی تعبیر بھی جان لیں{۹۶} اور یہ بھی جان لیں کہ انہیں خواب میں دیئے گئے پیغام پر کس طرح عمل کرنا چاہیے۔

تعبیر اور تدبیر:

﴿۴۶﴾......ساقی نے صرف تعبیر پوچھی تھی اللہ کے نبی نے تعبیر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ آنے والے حالات اور خطرات سے بچاؤ کے لیے تمہیں کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے، بظاہر آپ کا خطاب ساقی سے ہے لیکن اس کے واسطہ سے آپ ان کارپردازانِ حکومت کو مشورہ دے رہے ہیں جنہوں نے اسے خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

آپ نے بتایا کہ سات موٹی گایوں اور سبز بالیوں سے خوشحالی کے سات سالوں کی طرف اشارہ ہے، تمہیں چاہیے کہ خوشحالی کے زمانے میں جو غلّہ حاصل ہو اس میں سے بقدرِ ضرورت استعمال کرلو بقیہ بالیوں ہی میں رہنے دو، اس طرح وہ کیڑا لگنے سے محفوظ رہے گا۔

﴿۴۷﴾......سات دبلی گایوں اور خشک بالیوں سے قحط اور تنگی ترشی کے سات سالوں کی طرف اشارہ ہے، تم لوگوں نے فراوانی کے دنوں میں جو کچھ جمع کیا ہوگا، وہ سب ان دنوں میں ختم ہو جائے گا۔

﴿۴۸﴾...... بادشاہ کے خواب سے صرف یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ سات سال پیداوار اور سات سال قحط کے ہوں گے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر اضافہ فرماتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ قحط کے اختتام پر ایک سال ایسا آئے گا جس میں خوب بارش ہوگی، اس کا علم یا تو آپ کو اس سے ہوا کہ جب قحط کے کل سات سال

{۹۶} ''یعلمون'' تاویلها (بیضاوی ۳۲،۲۹۲)

ہیں تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ آٹھواں سال بارش اور پیداوار کا ہوگا{۹۷} یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی اس بارے مطلع کر دیا گیا ہو۔{۹۸}

حکمت وہدایت:

۱......انجام دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا خواب اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر حقیقت میں اللہ کی طرف سے آپ کو تختِ اقتدار تک پہنچانے کی تدبیر ہے۔(۴۳)

۲......ہر خواب سچا نہیں ہوتا یونہی ہر خواب جھوٹا بھی نہیں ہوتا۔(۴۴)

۳......بعض اوقات کافر اور فاسق و فاجر کا خواب بھی سچا ہو جاتا ہے۔(۴۳)

۴......یہ جو مشہور ہے کہ پہلی دفعہ خواب کی جو تعبیر بتا دی جائے اسی طرح واقع ہو جاتا ہے، تو قرآن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، اگرچہ اس بارے میں ایک روایت بھی منقول ہے لیکن یا تو یہ روایت ضعیف ہے یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ تعبیر بتانے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

بادشاہ کے حواریوں نے اس کے خواب کو پریشان خیالی قرار دیا تھا جبکہ بعد میں ثابت ہوا کہ اس میں ٹھوس حقائق کی نشاندہی کی گئی تھی۔

۵......جب بادشاہ نے خواب دیکھا، اس زمانے میں مصر سات صوبوں میں تقسیم تھا اور زراعت کی دیوی گائے کی مورت میں تھی۔

۶......انبیائے کرام علیہم السلام انسانوں کے لیے دینی اور دنیاوی معاملات میں رحمت اور سلامتی ثابت ہوتے ہیں اور انہیں اخروی عذاب کے ساتھ دنیاوی مصائب

{۹۷} "وفیہ یعصرون" کانہ أخذ من انتھاء القحط ابتداء الخصب (نظم الدرر ۴/۵۳)...... انّ ھذہ البشارۃ منہ علیہ السلام لم تکن عن وحی بل لانّ العادۃ جاریۃ بان انتھاء الجدب الخصب (روح المعانی ۷،۱۲/۳۸۶)
{۹۸} "وفیہ یعصرون" لایعلم الاّبالوحی (کبیر ۶،۱۸/۴۶۶)

اور آفات سے بھی بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

۷...... ہر وہ چیز شرعی مصلحتوں میں شمار ہوگی جس کے ذریعے عقیدہ، جان، عقل، نسب اور مال کی حفاظت ہوتی ہو اور جوان میں سے کسی چیز کے فوت ہونے کا سبب ہو اسے فساد کہا جائے گا۔ (۴۷)

۸...... ایسی ذخیرہ اندوزی جائز ہے جس کا مقصد مشکل حالات میں عوام کے لیے آسانی پیدا کرنا ہو۔ (۴۷)

بادشاہ کی دعوت اور یوسف علیہ السلام کا جواب

﴿۵۰......۵۲﴾

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس، پھر جب پہنچا اس کے پاس بھیجا ہوا آدمی کہا لوٹ جا اپنے خاوند کے پاس اور پوچھ اس سے کیا حقیقت ہے

الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ

ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹے تھے ہاتھ اپنے؟ میرا رب تو ان کا فریب سب جانتا ہے O کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلانا چاہا

يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ

یوسف کو اُس کے نفس کی حفاظت سے؟ بولیں حاشاللہ ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ برائی بولی عورت عزیز کی اب کھل گئی سچی بات، میں نے

حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ

پھسلانا چاہا تھا اس کو اس کے جی سے اور وہ سچا ہے O یوسف نے کہا یہ اس واسطے کہ عزیز معلوم کر لیوے کہ میں نے اس کی

بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝

چوری نہیں کی چھپ کر، اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغابازوں کا O

تسہیل: یہ تعبیر سُن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ، جب بادشاہ کا قاصد یوسف کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا، اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے ان عورتوں کے بارے میں دریافت کرو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے کہ وہ

میرے بارے میں کیا کہتی ہیں؟ بے شک میرا رب ان کی مکاری سے خوب واقف ہے O بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر ان سے پوچھا کہ جب تم نے یوسف کو بہکانے کی کوشش کی تھی، اس وقت کیا معاملہ پیش آیا تھا؟ عورتوں نے جواب دیا، حاشاللہ! ہمیں یوسف میں ذرہ بھی برائی نظر نہیں آئی، یہ سن کر عزیز کی بیوی بولی کہ اب تو سب پر حقیقت واضح ہوگئی ہے، میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی اور بے شک وہی سچا ہے O یوسف علیہ السلام نے فرمایا، میں نے یہ اہتمام اس لیے کیا ہے تاکہ عزیز خوب اچھی طرح جان لے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں خیانت نہیں کی اور بے شک اللہ خیانت بازوں کا مکروفریب چلنے نہیں دیتا O

﴿تفسیر﴾

﴿۵۰﴾...... بادشاہ نے ساقی کی زبان سے خواب کی تعبیر اور پھر حالات سے نمٹنے کی تدبیر سنی تو وہ نہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کی وسعتِ علمی، ذہانت، دوراندیشی اور ہمدردی کا قائل ہوگیا بلکہ اس کے دل میں ان کی زیارت اور ملاقات کا شوق بھی پیدا ہوگیا، اس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ یوسف کو جیل سے رہا کر کے میرے پاس لے آؤ۔

جب بادشاہ کا نمائندہ آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے اس وقت تک جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا جب تک اس الزام کی تحقیق نہ ہو جائے جو عزیز کی بیوی نے آپ پر لگایا تھا، الزام تو اس اکیلی نے لگایا تھا مگر آپ نے احسان شناسی، مروّت اور طبعی حیا کی بناء پر متعین طور پر اسے ہدف بنانے کے بجائے ان تمام خواتین سے تحقیق کرنے کا مشورہ دیا جنہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے تھے۔

تحقیق کا مشورہ آپ نے اس لیے دیا تھا کیونکہ اپنے منصب کی عظمت اور اہمیت کا

احساس آپ کے دل میں تھا، آپ نہیں چاہتے تھے کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر آپ کے کردار پر کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع ہاتھ آئے۔

ایک اشکال:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿ولو لبثت فی السجن مالبث یوسف لأجبت الداعی﴾{۹۹} ”اگر میں اتنی دیر جیل میں رہتا جتنی دیر یوسف علیہ السلام رہے اور پھر مجھے رہائی کے لیے بلایا جاتا تو فوراً قبول کر لیتا۔“

اس روایت کے حوالے سے اشکال ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو طرزِ عمل اختیار فرمایا وہ بظاہر افضل تھا اور آپ اپنے لیے جس طرزِ عمل کو پسند فرما رہے ہیں وہ مفضول ہے، حالانکہ سید الانبیاء ﷺ ہونے کی حیثیت سے یہ چیز آپ کے شایانِ شان نہیں۔

اس اشکال کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ کسی دوسرے پیغمبر کو کسی جزوی عمل میں فضیلت کا حاصل ہو جانا اس کلی فضیلت کے منافی نہیں جو حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیمت پر عمل کیا اور آپ اپنے اور اپنی امت کے لیے رخصت کو پسند فرما رہے ہیں، چونکہ بادشاہوں کا مزاج بدلنے میں دیر نہیں لگتی اس لیے ایسے مواقع پر شرطیں لگانا مناسب نہیں ہوتا، ممکن ہے بادشاہ کی رائے بدل جائے اور پھر تادیر جیل کی کال کوٹھری میں رہنا پڑے، اللہ کے نبیوں کا معاملہ دوسرا ہے، اوّل تو انہیں بعض اوقات مستقبل کے حوالے سے بتا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ وحی اور الہام کی روشنی میں اٹل موقف اختیار کر لیتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ جن اعلیٰ اخلاق اور صبر و استقامت جیسی صفات سے انبیاء متصف ہوتے ہیں، عام امتی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، حضور اکرم ﷺ سراپائے شفقت و رحمت

{۹۹} (بخاری ۲، کتاب التفسیر/۶۸۰)

ہونے کی وجہ سے اپنی امت کے لیے یسر اور آسانی پسند فرماتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا تو انہیں حکم دیا:

﴿یسّرا ولا تعسّرا وبشّرا ولا تنفّرا﴾{۱۰۰} ''آسانی پیدا کرنا، لوگوں کو مشکلات میں نہ ڈالنا، خوشخبری دینا اور متنفر نہ کرنا۔''

﴿اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ﴾ میرا رب تو اُن عورتوں کے مکروفریب کو جانتا ہی ہے{۱۰۱} جنہوں نے مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی، میں چاہتا ہوں کہ عام لوگوں پر بھی حقیقت واضح ہو جائے۔

﴿۵۱﴾...... بادشاہ نے ان عورتوں کو دربار میں بلا کر ان سے یوسف والے معاملے کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا، اس کا سوال تو بظاہر ساری عورتوں سے تھا مگر اصل خطاب عزیز کی بیوی سے تھا۔{۱۰۲}

دربار میں آئی ہوئی آزاد خیال لیڈیاں بیک زبان بول اٹھیں کہ ہمیں یوسف کے دامنِ سیرت پر معمولی سا دھبّہ بھی نظر نہیں آیا، یہ وہ موقع تھا کہ زوجۂ عزیز نے بھی اپنی غلطی اور یوسف کی پاکدامنی تسلیم کر لی۔

﴿۵۲﴾...... حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں{۱۰۳} کہ میں نے یہ سارا اہتمام اس لیے کیا ہے تاکہ سب کے سامنے میری براءت اور پاکدامنی ظاہر ہو جائے اور عزیز اگرچہ اس واقعہ کی حقیقت پہلے ہی جانتا ہے مگر اسے مزید یقین آ جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں کوئی خیانت نہیں کی۔

''مصری تہذیب وتمدن میں زنا بجائے خود کوئی اتنا بڑا جرم نہ تھا جتنا ایک شادی

{۱۰۰} (بخاری ۲، کتاب الأدب/۹۰۴)
{۱۰۱} أراد انه کیدعظیم لایعلمه الاالله (کشاف ۲/۴۵۱)
{۱۰۲} "راودتنّ" وان کانت صیغة الجمع فالمراد منها الواحدة (کبیر ۱۸،۶/۴۶۸)
{۱۰۳} وقد قیل: ان ذلك من کلام یوسف علیه السلام (ابن کثیر ۲/۴۲۶)

شدہ عورت کا اپنے شوہر کے حقوقِ خصوصی میں خیانت۔"{۱۰۴}

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ آخری آیت میں زوجہ عزیز کا کلام مذکور ہے، وہ یہ کہنا چاہتی ہے کہ میں نے حقیقت کا اعتراف اس لیے کیا ہے تاکہ یوسف جان لے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں نہ تو اسے بدنام کیا ہے اور نہ ہی اس کی عفت وطہارت پر کوئی داغ لگایا ہے۔{۱۰۵}

حکمت وہدایت:

۱......باعمل اہلِ علم کو یقیناً عزّت حاصل ہوتی ہے حتّٰی کہ ان کے دشمن بھی ان کی فضیلت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔(۵۰)

۲......وہ علم جس کے ساتھ عملِ صالح بھی ہو، دنیوی اور اخروی مصائب سے نجات کا ذریعہ بنتا ہے۔(۵۰)

۳......اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے مقاصد پورا کرنے کے لیے خود ہی غیبی تدابیر سے انتظام فرماتے ہیں، ان کو کسی مخلوق کا ممنونِ احسان کرنا پسند نہیں فرماتے......ساقی کو بادشاہ کے سامنے خواب کا تذکرہ کرنا یاد نہ رہا، اللہ نے بادشاہ کو خواب دکھا دیا جو بالآخر رہائی اور عزّت افزائی کا سبب بن گیا۔

۴......صبر و وقار، حلم اور بردباری، عزّتِ نفس کا احساس اور تحفظ انبیائے کرام علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے۔(۵۰)

۶......زلیخا سے، اگرچہ غلطی ہوگئی تھی مگر اس کی اس خوبی کا اعتراف کرنا چاہیے کہ اس نے برسرِ عام اپنی غلطی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت کا اقرار کر لیا۔(۵۱)

۷......خیانت اور مکاری کا انجام کبھی بھی اچھا نہیں ہوتا۔(۵۲)

{۱۰۴} (تفسیر ماجدی ۲/۲۱۶)

{۱۰۵} "ذلك ليعلم" كلام امرأة العزيز والمعنى:...... ما أحلت الذنب عليه عند غيبته (كبير ۶،۱۸/۴۶۸)

حضرت یوسف علیہ السلام کی ریاست و وزارت

﴿۵۳.....۵۷﴾

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾

اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو، بے شک جی تو سکھلاتا ہے برائی مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے بے شک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان O

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس میں خالص کر رکھوں اس کو اپنے کام میں پھر جب بات چیت کی اس سے، کہا واقعی تو نے آج سے ہمارے پاس

مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا

جگہ پائی معتبر ہو کر O یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر، میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا O اور یوں قدرت دی

لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ

ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ پکڑتا تھا اس میں جہاں چاہتا پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے

اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع

ہم بدلہ بھلائی والوں کا O اور ثواب آخرت کا بہتر ہے ان کو جو ایمان لائے اور رہے پرہیز گاری میں O

تسہیل: اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا کیونکہ نفس برائی کا راستہ دکھاتا ہے، البتہ جس پر میرا رب رحم کرے وہ اس کے شر سے بچ جاتا ہے، بے شک میرا رب بہت بخشنے والا اور بے حد مہربان ہے O بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لے آؤ، میں اسے صرف اپنے معاملات کے لیے مخصوص کرلوں گا، جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ کے پاس لایا گیا اور اسے ان سے بات چیت کا موقع ملا تو اس نے ان سے کہا، آج سے تم ہمارے ہاں معزز اور معتبر ہو O یوسف نے کہا، مجھے وزیرِ خزانہ بنا دیجیے کیونکہ میں دیانتداری سے حفاظت بھی کرسکتا ہوں اور حساب کتاب سے بھی خوب واقف ہوں O جیسے ہم نے جیل سے آزادی کی صورت میں یوسف پر انعام کیا تھا یونہی ہم نے اسے ملکِ مصر میں بااختیار بنا کر انعام کیا، وہ جہاں چاہتے تھے رہتے

تھے، ہم جس پر چاہتے ہیں اپنی رحمت متوجہ کر دیتے ہیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ○ البتہ آخرت کا اجر دنیا کے اجر سے کہیں زیادہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور تقوٰی پر قائم رہے ○

تفسیر

﴿۵۳﴾...... حضرت یوسف علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ میں نے اپنی پاکدامنی ثابت کرنے کے لیے جو اہتمام کیا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مجھے اپنے زہد و تقوٰی پر ناز ہے کیونکہ ہر انسان کی طرح میرے ساتھ بھی نفس لگا ہوا ہے اور ہر نفس طبعی طور پر شہوات اور معاصی کی طرف میلان رکھتا ہے {۱۰۶} سوائے اس نفس {۱۰۷} کے جس پر اللہ رحم کرے اور اسے گناہوں سے بچنے اور نیکی کی راہ پر استقامت کی توفیق عطا فرمادے، جیسا کہ اولیاء اور صلحاء کو توفیق مل جاتی ہے، انبیاء کا معاملہ صلحاء اور اولیاء سے بھی برتر ہے کہ انہیں نفسِ بشری کے ساتھ ایک نفسِ پیمبری بھی عطا کیا جاتا ہے، انہیں ہمہ وقت دربارِ الٰہی میں حضوری کی کیفیت حاصل رہتی ہے، یہ کیفیت اور ملأ اعلیٰ سے شدید تعلّق نفسِ امارہ کے تقاضے کے باوجود انہیں گناہ سے بچائے رکھتا ہے، اسی کا نام ''معصومیت'' ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں ''ما'' کا لفظ وقت اور زمانے کے لیے استعمال ہوا ہے {۱۰۸} جبکہ اوپر ہم نے جو تفسیر بیان کی ہے، اس میں ''ما'' کو ''من'' کے معنی میں لیا گیا ہے۔

{۱۰۶} أی لست أقول هذا ادّعاء بان النفس بريئة من ارتكاب الذنوب (التحرير والتنوير ۷، الجزء الثالث عشر/۶)
{۱۰۷} اى الانفسا رحمها ربّی فصرف عنها السوء والفحشاء (تفسیر المراغی ۱۳/۴)
{۱۰۸} "الا ما رحم ربّی" ای الا وقت رحمة ربّی......(کبیر ۱۸،۶/ ۴۷۰)

پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ شیطان ہر شخص کو برائی کا حکم دیتا ہے سوائے اس شخص کے جس پر اللہ رحم کرے اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ شیطان ہر وقت برائی کا حکم دیتا ہے سوائے اس وقت کے جب اللہ اپنی رحمت نازل فرمائے۔{۱۰۹}

﴿إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ اس کی شانِ غفوری کا تقاضا یہ ہے کہ توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو معاف کردے اور نفسِ امّارہ کو لوّامہ (برائی پر ملامت کرنے والا) بنادے، جبکہ شانِ رحیمی کی وجہ سے انبیاء کو نفسِ مطمئنہ عطا کرتا ہے اور صدقِ دل سے توبہ کرنے والوں کو گناہوں کے آثار اور غلاظتوں سے پاک کر دیتا ہے۔

﴿۵۴﴾...... بادشاہِ مصر نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کے حسنِ کردار، اعلیٰ اخلاق، پیغمبرانہ معصومیت اور انتظامی صلاحیت کے بارے میں سنا تو اپنے کارندوں سے کہا، ان صلاحیتوں اور سیرت و کردار کے حامل شخص کو جیل میں رکھنا زیادتی ہے، اسے تو کسی شاہی منصب پر فائز ہونا چاہیے، بادشاہ کا یہ فیصلہ تو ان حکایات کے بناء پر تھا جو اس نے اپنے بااعتماد لوگوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں سنی تھیں، جب اسے روبرو گفتگو کا موقع ملا تو وہ ان کے علم و فضل اور حسنِ ادب کا گرویدہ ہو کر رہ گیا اور اس نے فوراً انہیں اعلیٰ سرکاری منصب کی یہ کہتے ہوئے پیشکش کر دی کہ ''آج سے تم ہمارے ہاں معزز اور معتبر ہو'' یوسف علیہ السلام اور بادشاہ کے دین و عقیدہ اور نسل و نسب میں از حد تفاوت کے باوجود بادشاہ کے تأثر کو سیرت کے معجزہ کے علاوہ کیا نام دیا جا سکتا ہے؟۔

کہا جاتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے جیل سے نکلنے سے پہلے غسل کر کے نیا لباس پہنا، اور بادشاہ کے سامنے پیش ہونے سے پہلے یہ دعا مانگی:

{۱۰۹} یعنی انّها امارة بالسوء فی کلّ وقت الا فی وقت العصمة (المرجع السابق نفسه)

﴿اللّٰھم انی اسألک بخیرک من خیرہ واعوذ بعزتک وقدرتک من شرہ﴾{۱۱۰}

''اے اللہ! میں تجھ سے تیری خیر کے واسطے سے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور تیری عزت وقدرت سے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔''

توریت میں ہے:

''اور فرعون نے یوسف سے کہا، چونکہ تجھے خدا نے یہ سب کچھ سکھایا ہے، سو کوئی تجھ سا عاقل ودانشور نہیں ہے، میرے گھر کا مختار ہو اور اپنا حکم میری سب رعیت پر جاری کر، فقط تخت نشینی میں میں تجھ سے بزرگ تر رہوں گا۔''{۱۱۱}

﴿۵۵﴾...... یوسف علیہ السلام نے نفع رسانی اور خیر خواہی کے جذبہ سے کہا کہ مجھے مصر کے خزانوں پر مامور کر دیجیے۔ ''خزائن'' جمع ہے خزانة اور خزینة کی! اس سے مراد غلّے کے گودام بھی ہو سکتے ہیں اور ملک کے تمام ذرائع پیداوار بھی۔ مقصد یہ تھا کہ اگر آپ مجھے کوئی عہدہ دینے اور میری صلاحیتوں سے استفادہ کا فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو میرے خیال میں اس کی مناسب شکل یہ ہے کہ محاصل اور مالیات کا سارا نظام میرے حوالے کر دیجیے تا کہ میں اپنی صوابدید سے اس میں تصرّف کر سکوں اور خوشحالی اور قحط کے سالوں میں اقتصادی توازن پیدا کر سکوں اور عوام کو مشکلات سے بچا سکوں۔

﴿اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جس دیانت اور علم کی ضرورت ہے، اللہ نے مجھے اس سے نواز رکھا ہے۔

﴿۵۶﴾...... جس طرح ہم نے یوسف کو قید سے رہائی دی تھی، یونہی ہم نے عجیب وغریب طریقے سے اسے مصر میں اقتدار عطا کر دیا، کل کا بے بس قیدی اور مملوک آج کا خود مختار، آزاد اور مالک بن گیا، انہیں مکمل اختیار حاصل تھا کہ وہ جس علاقے کا چاہیں دورہ کریں، جہاں چاہیں رہائش اختیار کر لیں اور مملکت کی اصلاح کے لیے جو چاہیں آرڈر جاری

{۱۱۰} (کشاف ۲/۴۵۴، دار احیاء التراث العربی)
{۱۱۱} (عہد عتیق، تکوین باب ۴۱: ۳۹-۴۰/ص ۵۱)

کریں، کار پردازانِ سلطنت پر لازم تھا کہ ان کے احکام کی بلا چون و چرا تعمیل کریں۔

﴿نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا﴾ آیتِ کریمہ کے اختتامی جملے میں دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے، ایک تو یہ کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے، اس کا ہاتھ کوئی روک نہیں سکتا۔

دوسری یہ کہ جو حُسن واحسان کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اللہ ان کا اجر ضائع نہیں کرتا، بسا اوقات انہیں آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن انجامِ کار میں عزت اور کامیابی انہی کے حصے میں آتی ہے۔

﴿۵۷﴾...... دنیا میں محسنین کے حسنِ عمل، ایثار واحسان اور صبر واستقامت کا جو اجر انہیں ملتا ہے وہ تو خیر ملتا ہے، آخرت میں انہیں جو اجر وثواب ملے گا اس کا دنیا میں تصور بھی مشکل ہے اور حقیقی محسن وہ ہیں جو ایمان اور تقوٰی کی صفات سے متصف ہوں۔ پچھلی آیت کی طرح اس آیت میں بھی دو حقیقتوں کی وضاحت ہے:

پہلی حقیقت یہ کہ یوسف علیہ السلام کو جو عزّت اور اقتدار ملا، اسے ان کے صبر و استقامت کا کل معاوضہ نہ سمجھا جائے کیونکہ دنیا کا مال ومتاع اور تخت وتاج کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا آخرت کی بے بدل اور بے مثال نعمتوں کے مقابلے میں، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝﴾ {۱۱۲}

"یہ ہماری عطا ہے، چاہو تو احسان کرو اور چاہو تو رکھ چھوڑو، تم سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا، اور بلاشبہ ان کے لیے ہمارے ہاں خاص قرب اور اچھا ٹھکانا ہے۔"

دوسری حقیقت یہ واضح ہوئی کہ وہ نعمتیں جو اللہ کی طرف سے بطور انعام ملتی ہیں، ان کی بنیاد ایمان وتقوٰی پر ہوتی ہے۔

{۱۱۲} (ص ۳۸/۳۹-۴۰)

حکمت وہدایت:

۱...... نفس کی طرف سے کبھی بھی مطمئن نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ بہرحال بدی کی ترغیب دیتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ انسان اس کے بہکاوے میں آئے یا نہ آئے،

حدیث میں ہے کہ ایک موقع پر سرورِ دوعالم ﷺ نے صحابہ سے سوال کیا:

''تمہاری اپنے اس دوست کے بارے میں کیا رائے ہے جس کی اگر تم عزت کرواور اسے کھلاؤ اور پہناؤ تو وہ تمہیں بدی کی طرف لے جاتا ہے اور اگر تم اس کے ساتھ اہانت آمیز سلوک کرواور اس کے ساتھ سختی سے پیش آؤ تو وہ تمہیں نیکی کا راستہ بتاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو دنیا کا بدترین دوست ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ دوست تمہارے وہ نفوس ہیں جو تمہارے پہلوؤں کے درمیان ہیں۔''(۵۳)

۲...... کسی بھی انسان کے لیے نیکی کا کرنا اور برائی سے بچنا اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔(۵۳)

۳...... مذکورہ آیت میں ہر نفسِ انسانی کو ''اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ'' (برائی کی ترغیب دینے والا) بتایا گیا ہے جبکہ سورۂ قیامہ میں نفسِ انسانی کو ''لوّامہ'' کا لقب دے کر اس کی قسم کھائی ہے اور سورۂ فجر میں اسے ''مطمئنۃ'' کا لقب دے کر جنت کی بشارت دی ہے، ان مختلف آیات میں علماء نے تطبیق یوں دی ہے کہ ''ہر نفسِ انسانی اپنی ذات میں تو ''اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ'' یعنی برے کاموں کا تقاضا کرنے والا ہے لیکن جب انسان اللہ اور آخرت کے خوف سے اس کے تقاضے پورے نہ کرے تو اس کا نفس ''لوّامہ'' بن جاتا ہے یعنی برے کاموں پر ملامت کرنے والا اور ان سے

توبہ کرنے والا، جیسے عام صلحائے امت کے نفوس ہیں، اور جب کوئی انسان نفس کے خلاف مجاہدہ کرتے کرتے اپنے نفس کو اس حالت میں پہنچا دے کہ برے کاموں کا تقاضا ہی اس میں نہ رہے تو وہ نفسِ مطمئنہ ہو جاتا ہے، صلحائے امت کو یہ حال مجاہدہ وریاضت سے حاصل ہوسکتا ہے لیکن پھر بھی اس حالت کا ہمیشہ قائم رہنا یقینی نہیں ہوتا، اور انبیاء علیہم السلام کو خود بخود عطائے الٰہی سے ایسا ہی نفسِ مطمئنہ بغیر کسی سابقہ مجاہدہ کے نصیب ہوتا ہے اور ہمیشہ اسی حالت پر رہتا ہے، اس طرح نفس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین طرح کے افعال اس کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔{۱۱۳}

۴......مشہور عربی محاورہ ہے "المرء مخبوء تحت لسانه" (انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوتا ہے) اس محاورہ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ بادشاہِ مصر بات چیت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا گرویدہ ہوگیا۔(۵۴)

۵......علمی اور اخلاقی کمال انسان کے لیے عزت ومرتبہ کی راہ ہموار کرتا ہے۔(۵۴)

۶......ایسا شخص جسے اپنی ذات، دینداری اور علم پر اعتماد ہو اور اس کا مقصود نفع رسانی ہو نہ کہ نفس پروری تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی عہدہ اور منصب کے لیے پیش کرے بلکہ کافرانہ نظامِ حکومت کے ماتحت بھی عہدہ قبول کرنا حرام نہیں۔{۱۱۴}

کیا اپنی تعریف جائز ہے؟

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم میں اپنی تعریف سے اور حدیث میں طلب

{۱۱۳} (معارف ۵/۸۷)
{۱۱۴} وفيه دليل على جواز طلب التولية والاظهار انه مستعد والتولى من يد الكافر اذا علم أنه لاسبيل الى اقامة الحق وسياسة الخلق إلا بالا ستظهار به (بيضاوى ۳/۲۹۵)

عہدہ سے منع کیا گیا ہے، سورۂ نجم میں ہے:

﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ﴾{۱۱۵} ''اپنے نفسوں کا تزکیہ بیان نہ کیا کرو۔'' ۱

اور حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿لاتسأل الأمارة﴾{۱۱۶} ''امارت اور عہدے کا سوال نہ کرو۔''

تو اس کا جواب یہ ہے، کہ قرآنِ کریم میں ممانعت ان لوگوں کے لیے ہے جو نااہل ہوں یا جو مادی اور ذاتی مفادات کے حصول کے لیے اپنی قصیدہ خوانی کریں۔

اسی طرح حدیث میں طلبِ عہدہ سے ممانعت ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اس کا حق ادا نہ کرسکتے ہوں یا ان کا مقصد شکم پروری ہو، یونہی اگر ان سے بہتر لوگ موجود ہوں تو بھی انہیں عہدے کا سوال نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے معصوم نبی تھے، ہمیں ان کے بارے میں سو فیصد یقین ہے کہ وہ رضائے الٰہی کے طالب اور مخلوقِ باری تعالیٰ کی نفع رسانی کے آرزومند تھے، دوسری جانب قحط سالی کی صورت میں جو مشکل دور آنے والا تھا، اس سے نمٹنے کے لیے جن صلاحیتوں کی ضرورت تھی، کارپردازانِ حکومت میں ان صلاحیتوں کا حامل کوئی دوسرا نظر نہیں آتا تھا، ان حالات میں ان پر لازم تھا کہ وہ اس اہم منصب کے لیے خود اپنے آپ کو پیش کرتے۔

۷......فاسق وفاجر بلکہ کافر شخص کی حکومت، فیکٹری اور کارخانے میں بھی ملازمت کرنا جائز ہے۔(۵۵)

۸......تجارت اور ملازمت ہو یا حکومت اور وزارت...... ولایت تو کیا نبوت کے ساتھ بھی جمع ہوسکتے ہیں۔(۵۵)

{۱۱۵} (النجم ۵۳/۳۲)

{۱۱۶} (بخاری ۲، کتاب الاحکام/۱۰۵۸......مسلم ۲، کتاب الأمارۃ/۱۲۰)

۹......احسان نظریہ اور عقیدہ میں ہو یا قول و عمل میں، اللہ کو بہت پسند ہے۔(۵۵)

۱۰......آخرت میں اجر و ثواب ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر ملے گا نہ کہ حسب و نسب کی بناء پر۔

برادرانِ یوسف کی آمد

﴿۵۸......۶۲﴾

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ

اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے اس کے پاس تو اس نے پہچان لیا ان کو، اور وہ نہیں پہچانتے تھے ۝ اور جب تیار کر دیا ان کو

بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ

ان کا اسباب کہا لے آئیو میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے باپ کی طرف سے، تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا دیتا ہوں ناپ اور خوب طرح

الْمُنْزِلِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۝ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ

اتارتا ہوں مہمانوں کو ۝ پھر اس کو نہ لائے میرے پاس تو تمہارے لیے بھرتی نہیں میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آئیو ۝ بولے ہم خواہش کریں گے

عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ

اس کے باپ سے اور ہم کو یہ کام کرنا ہے ۝ اور کہہ دیا اپنے خدمت گاروں کو رکھ دو ان کی پونجی ان کے اسباب میں

يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

شاید اس کو پہچانیں جب پھر کر پہنچیں اپنے گھر شاید وہ پھر آجائیں ۝

تسہیل: قحط سے پریشان ہو کر یوسف کے بھائی مصر آئے تو انہیں یوسف نے پہچان لیا مگر وہ یوسف کو نہ پہچان سکے ۝ اور جب یوسف نے ساتھ لے جانے کے لیے بھائیوں کے لیے غلّہ تیار کر دیا تو انہیں رخصت کرتے وقت کہا، اگر دوبارہ آنا ہوا تو اپنے سوتیلے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لانا، تم نے یہ تو دیکھ ہی لیا ہے کہ میں غلّہ بھی پورے ناپ سے دیتا ہوں اور میزبانی بھی خوب کرتا ہوں ۝ اگر تم بنیامین کو نہ لا سکے تو تمہیں نہ تو میرے ہاں سے غلّہ ملے گا اور نہ ہی میرے قریب پھٹکنے کی اجازت

ہوگی O انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم بنیامین کے بارے میں اس کے باپ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے، آپ مطمئن رہیں کہ ہم یہ وعدہ ضرور نبھائیں گے O جب وہ مصر سے روانہ ہونے لگے تو یوسف نے اپنے خادموں سے کہا کہ یہ جو پونجی لے کر آئے تھے، اسے ان کے سامان میں چھپا کر رکھ دو، امید ہے کہ جب یہ اپنے گھر پہنچیں گے تو اسے پہچان لیں گے اور امید یہ بھی ہے کہ یہ دوبارہ واپس آئیں گے O

تفسیر

﴿۵۸﴾...... تفسیر ابنِ کثیر میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کو وزارت ملنے کے بعد ابتدائی سات سال بڑی خوشحالی رہی، زمین نے خوب پیداوار دی، آپ نے اسے جمع کرنے پر بھرپور توجہ دی، اس کے بعد قحط کا دور شروع ہوا اور وہ بھی سات سال پر محیط رہا اور اس نے نہ صرف مصر بلکہ گرد و پیش کے علاقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، کنعان کا علاقہ جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد رہائش پذیر تھی، وہ بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہا، حضرت یوسف علیہ السلام نے جمع شدہ غلّہ انتہائی احتیاط سے حاجت مندوں میں تقسیم کرنا شروع کیا، شہرت سن کر دور دراز سے لوگ آنے لگے، وہ اپنے لیے بھی غلّہ حاصل کرتے تھے اور اپنے اہل و عیال کے لیے بھی، راشن بندی کے نظام کے تحت کسی شخص کو ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ نہ دیتے تھے، ہمارے وزن کے اعتبار سے پانچ من سے کچھ زائد مقدار بنتی ہے، خود حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے وزراء کا یہ حال تھا کہ وہ دن میں صرف ایک بار کھانا تناول فرماتے تھے، اسی قحط کے زمانے میں برادرانِ یوسف نے بھی مصر کا رخ کیا، توریت میں ہے:

"اور سب زمین میں گرانی ہوئی پر ہنوز مصر کی ساری زمین میں روٹی تھی، پھر جب ساری زمینِ مصر بھوک سے ہلاک ہونے لگی تو خلق روٹی کے لیے فرعون کے آگے

چلائی......اور تمام روئے زمین پر کال تھا......اور ملکوں کے لوگ اناج مول لینے کے لیے ملکِ مصر میں یوسف کے پاس آنے لگے کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا{۱۱۷}......سو یوسف کے دس بھائی غلّہ مول لینے کو مصر میں آئے۔"{۱۱۸}

جب یہ دس کنعانی نوجوان حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے انہیں فوراً پہچان لیا، اس میں آپ کی ذہانت وفراست کے علاوہ بھائیوں کے خدوخال میں زیادہ تبدیلی نہ ہونے کا بھی دخل تھا، اس لیے کہ جب آپ ان سے جدا ہوئے تھے، وہ سب جوانی کی حدود میں داخل ہو چکے تھے اور جوانی کے بعد انسان کے چہرے مہرے میں بہت کم تغیر واقع ہوتا ہے، جبکہ آپ بچے تھے اور لڑکپن کے نقشے اور جوانی کے بعد کے نقشے میں فرق ہوتا ہے، پھر کہاں وہ کمزور سا غلام جسے وہ جنگل کے کنویں میں ڈال آئے تھے اور کہاں اتنی بڑی سلطنت کا خودمختار وزیرِاعظم! کنعانی نوجوان سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ کنعان کے ویران کنویں میں پھینکا جانے والا بچہ مصر کا حکمران ہوسکتا ہے، اس لیے وہ آپ کو نہ پہچان سکے اور اسی طرح آپ کے سامنے پیش ہوئے جیسے دوسرے حاجتمند بڑی نیازمندی اور عاجزی سے پیش ہو رہے تھے۔

توریت میں ہے:

"سو یوسف کے بھائی آئے، یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیکھا اور پہچان گیا......

یوسف نے اپنے بھائیوں کو پہچانا پر انہوں نے اسے نہ پہچانا"{۱۱۹}

﴿۶۰﴾......راشنگ کا جو نظام اللہ کے نبی نے بنایا تھا، اس میں طے کیا گیا اصول یہی

{۱۱۷} (عہدِعتیق، تکوین باب ۴۱:۵۴-۵۷/ص ۵۲)
{۱۱۸} (عہدِعتیق، تکوین، باب ۴۲:۳/ص ۵۲)
{۱۱۹} (عہدِعتیق، تکوین، باب ۴۲:۷-۸ص ۵۲)

تھا کہ غلّہ کی ایک خاص مقدار ہر سائل کو ملتی تھی جبکہ غائب کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا، یقیناً کنعانی قافلہ نے اپنے والد اور بھائی کا حصّہ مانگا ہوگا، اِدھر حضرت یوسف علیہ السلام سالوں سے بچھڑے ہوئے بھائی اور پدرِ بزرگوار سے نہ صرف ملاقات چاہتے تھے بلکہ ان کا تذکرہ بھی ان کے لیے باعثِ تسکین تھا، ان کا ذکر آ ہی گیا تو صاف کہہ دیا کہ بوڑھے شیخ کو تو مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے مگر نوجوان بھائی کی حاضری ضروری ہے، اگر تم اسے نہ لاسکے تو خود تمہیں بھی کچھ نہیں ملے گا۔

﴿اَلَا تَرَوْنَ﴾ ایک ایسا حکم جس میں کئی مصلحتیں پوشیدہ تھیں، اس کی تعمیل پر آمادہ کرنے کے لیے اپنی خوش معاملگی اور مہمان نوازی کا ذکر کر دیا اور یہ تقویٰ کے منافی ہرگز نہیں تھا۔

﴿۶۱﴾...... جواب میں بھائیوں نے بتایا کہ ہمیں تو چھوٹے بھائی کو لانے میں کوئی اعتراض نہیں، اصل مسئلہ ہمارے والد کا ہے، ان کے کچھ تحفّظات ہیں، اپنی طرف سے ہم انہیں راضی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔

یوسف علیہ السلام کی تدبیر:

﴿۶۲﴾...... اِدھر کنعانی نوجوانوں سے سوتیلے بھائی کو لانے کا وعدہ لے لیا اُدھر اپنے خادموں سے یوسف علیہ السلام نے کہہ دیا کہ غلّہ کی خریداری کے لیے جو بھی پونجی اور مالِ تجارت لے کر یہ آئے تھے، وہ بھی ان کے سامان میں رکھ دو تاکہ نقدی کا نہ ہونا دوبارہ آنے میں رکاوٹ نہ ہو اور غیر متوقّع احسان و کرم سے متاثر ہو کر یہ جلد از جلد واپس آئیں۔

﴿بِضَاعَتَهُمْ﴾ عربی میں "بضاعة" کا لفظ نقدی اور سکّہ کے معنی میں نہیں، مالِ تجارت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، امام راغب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

﴿البضاعة قطعة وافرة من المال تقتنٰی للتجارة﴾{۱۲۰} "مال کی وہ وافر مقدار جو تجارت کے لیے رکھی جائے، اسے بضاعت کہا جاتا ہے۔"

ہمیں اس لفظ کے استعمال میں بھی قرآن کے اعجاز کا ایک پہلو سمجھ آتا ہے کہ وہ کسی بھی دَور اور ملک کا ذکر کرتے ہوئے تاریخی اور معاشی جزئیات کا لحاظ بھی خوب رکھتا ہے، جس زمانے میں قصۂ یوسف پیش آیا، اس زمانے میں نقدی اور سکّہ کا رواج نہ تھا، اجناس کے تبادلہ اور سونے چاندی ہی سے تجارت ہوتی تھی، قرآن نے جس لفظ کا انتخاب کیا ہے، اس کا اطلاق ہر قسم کے مالِ تجارت بشمول اجناس پر ہو سکتا ہے۔

حکمت و ہدایت:

۱......جب طویل زمانہ گزر جائے تو بسا اوقات بھائی اپنے حقیقی بھائی کو اور والد اپنی قلبی اولاد کو پہچان نہیں پاتا بالخصوص جب وہ ایسے مقام اور مرتبہ تک پہنچ جائے جہاں پہنچنے کا تصوّر بھی محال ہو۔(۵۸)

۲......کسی جائز مصلحت کے لیے اپنی تعریف بھی جائز ہے اور ترغیب و ترہیب بھی، حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں طریقے استعمال کیے۔(۵۹-۶۰)

۳......اگر خشک سالی کی وجہ سے انسانوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو ہر فرد کی ضرورت کے مطابق حکّام کی طرف سے راشن کی مقدار مقرّر کرنا جائز ہے۔{۱۲۱}

امتحان کی تکمیل:

۴......اشکال ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کی جدائی سے اتنے متأثر ہوئے کہ رو رو کر بینائی گنوا بیٹھے، دوسری طرف یوسف علیہ السلام جو اللہ

{۱۲۰} (المفردات/۵۰)

{۱۲۱} وفی ماقص اللہ تعالیٰ ...... دلالة علی ان الائمة فی کل عصر ان یفعلوا مثل ذلك اذا خافوا هلاك الناس من القحط (جصاص ۱۷۶/۳)

کے نبی اور رسول ہیں، والد سے محبت کے علاوہ ان کے حقوق سے بھی پوری طرح باخبر ہیں اور انہیں طویل آزمائش کے بعد ہر طرح کی سہولتیں اور اختیارات بھی میسّر ہیں، ان کی سیرت کا انتہائی باعثِ تعجب پہلو یہ ہے کہ انہوں نے نہ تو والد سے ملاقات کا پروگرام بنایا نہ ارادہ ظاہر کیا اور نہ ہی انہیں پیغام بھیج کر تسلّی دی بلکہ الٹا اپنے دوسرے بھائی کو بھی بلوا کر انہیں مزید رنج وغم میں مبتلا کر دیا، حالانکہ کسی عام انسان سے بھی اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ اللہ کا برگزیدہ پیغمبر ایسا کرے۔

اہلِ علم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے نبی کو اپنے والد اور دوسرے اہلِ خاندان کو اپنے متعلق بتانے سے روک دیا تھا{۱۲۲} اس روکنے میں کیا حکمت تھی؟ ویسے تو اللہ کے فیصلوں کی حکمتوں کا انسانی عقل احاطہ نہیں کر سکتی، بظاہر جو حکمت سمجھ میں آتی ہے، وہ اس امتحان کی تکمیل تھی جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو ڈال دیا گیا تھا۔

بیٹوں کی درخواست اور والد کا جواب

﴿۶۳......۶۶﴾

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ

پھر جب پہنچے اپنے باپ کے پاس، بولے اے باپ! روک دی گئی ہم سے بھرتی سو بھیج ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو کہ بھرتی

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ

لے آئیں، اور ہم اس کے نگہبان ہیں O کہا میں کیا اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر وہی جیسا اعتبار کیا تھا اس کے بھائی پر اس سے پہلے،

{۱۲۲} "اِن قيل: كيف استجاز يوسف ادخال الحزن على أبيه بطلب أخيه؟...... يجوز أن يكون الله عزّوجلّ أمره بذلك ابتلاء ليعقوب، ليعظم له الثواب فاتبع أمره فيه (قرطبي ۱۸۹/۹)

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ

سو اللہ بہتر ہے نگہبان اور وہی ہے سب مہربانوں سے مہربان O اور جب کھولی اپنی چیز بست پائی اپنی پونجی کہ پھیر دی گئی ان کی طرف، بولے

رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۗ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۗ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ

اے باپ! ہم کو اور کیا چاہیے؟ یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو اب جائیں تو رسد لائیں ہم اپنے گھر کو اور خبرداری کریں گے

اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۗ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ

اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی، وہ بھرتی آسان ہے O کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اس کو تمہارے ساتھ

مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى

یہاں تک کہ دو مجھ کو عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دو گے اس کو میرے پاس، مگر یہ کہ گھیرے جاؤ تم سب، پھر جب دیا اس کو سب نے عہد، بولا

مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝

اللہ ہماری باتوں پر نگہبان ہے O

تسہیل: جب وہ سفر سے لوٹ کر اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کہنے لگے، ابا جان! آئندہ ہمیں غلّہ دینے سے منع کر دیا گیا ہے، بس ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ ہمارے بھائی بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے تو ہم غلّہ لا سکتے ہیں اور یقیناً ہم اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے O حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا، یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس کے بارے میں تم پر ویسے ہی اعتماد کروں جیسے اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر اعتماد کیا تھا، میں صرف اللہ پر اعتماد کرتا ہوں، وہی سب سے بہتر نگہبان ہے اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے O جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی پونجی انہیں واپس کر دی گئی ہے، خوش ہو کر کہنے لگے، ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ دیکھیں! ہماری پونجی بھی ہمیں لوٹا دی گئی ہے، آپ نے اجازت دے دی تو ہم گھر والوں کے لیے دوبارہ رسد لائیں گے، اپنے بھائی کی خوب حفاظت کریں گے اور اس کے حصے کا بارِ شتر غلّہ زیادہ حاصل کریں گے، یہ زائد مقدار دینا بادشاہ کے لیے بہت آسان ہے O یعقوب علیہ السلام

نے فرمایا، میں اس وقت تک کسی بھی صورت اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کے نام کی قسم کھا کر مجھ سے یہ پکا عہد نہ کرو کہ تم اسے ضرور واپس لاؤ گے، سوائے اس کے کہ تم بالکل ہی لاچار ہو جاؤ، جب انہوں نے قسم کھا کر پکا قول دے دیا تو آپ نے فرمایا، جو قول وقرار ہم کر رہے ہیں، اس پر اللہ نگہبان ہےO

تفسیر

﴿۶۳﴾...... برادرانِ یوسف نے سفر سے واپسی پر سارے حالات والد کو سنا کر گزارش کی کہ اب کی بار بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے ورنہ آئندہ ہم میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں ملے گا، یہ سمجھا جائے گا کہ ہمارا کوئی اور بھائی تھا ہی نہیں، ہم محض جھوٹ بول کر گیارہویں کا حصّہ وصول کرنا چاہتے تھے، جہاں تک اس کی حفاظت کا تعلق ہے، تو آپ اس بارے میں پریشان نہ ہوں، ہم دس پُرقوت اور شہ زور نوجوان ہیں، ہماری موجودگی میں کوئی بنیامین کا بال بیکا کرنے کی بھی جرأت نہیں کرسکتا۔

﴿۶۴﴾......حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تمہیں بہت اچھی طرح آزما چکا ہوں، کل یوسف کی حفاظت کا بھی تم نے اسی طرح وعدہ کیا تھا مگر اس کا ایفاء نہ کرسکے، اب میں اللہ ہی کی حفاظت اور رحمت کا طلبگار ہوں کیونکہ اس سے بہتر محافظ اور اس سے زیادہ رحم کرنے والا کوئی نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس گفتگو میں طبعی تقاضوں اور ایمانی مطالبات کی حسین جامعیت پائی جاتی ہے اور یہ مقام اللہ کے مخصوص بندوں ہی کو حاصل ہوتا ہے ورنہ نیک بندوں میں سے بھی بعض پر طبعی تقاضے اور بعض پر ایمانی مطالبات غالب آجاتے ہیں۔

﴿۶۵﴾......اب تک جو بھی گفتگو ہوئی وہ سامان کھولنے سے پہلے ہوئی تھی، جب

سامان کھولا اور دیکھا کہ غلّہ کی قیمت کے طور پر جو پونجی وہ ادا کر گئے آئے تھے، وہ قصداً انہیں واپس کردی گئی ہے، تو وہ خوشی سے پکار اٹھے "مانبغی" بادشاہ کی طرف سے اس سے زیادہ اکرام اور تعاون کی ہم کیا توقع رکھ سکتے ہیں{۱۲۳} کہ اس نے ہماری پونجی بھی واپس کردی اور غلّہ بھی پورا دے دیا؟ ایسے مہربان انسان کے پاس تو ضرور جانا چاہیے تا کہ اس قحط سالی میں خاندان کے لیے غلّہ حاصل کیا جاسکے، بنیامین کے ساتھ ہونے کی صورت میں بارِ شتر کے برابر غلّہ مزید حاصل ہونے کی توقع ہے۔

قرآن اور بائبل:

﴿۶۶﴾......کن کن نزاکتوں کا لحاظ ہے اللہ کے نبی کے کلام میں؟ ایک طرف سابقہ تلخ تجربے کی روشنی میں ظاہری تدابیر کی رعایت اور بیٹوں سے عہدو پیان، دوسری جانب ان مجبوریوں اور انہونیوں کا لحاظ جن کے پیش آنے کی صورت میں انسانی تدابیر دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، تیسری جانب اللہ پر توکل اور شرعی تاکید۔

یہی مضمون توریت میں بھی ہے مگر بغور دیکھیے کہ قرآن اور بائبل میں کتنا فرق ہے:

''تب یہودہ نے اپنے باپ اسرائیل کو کہا کہ اس جوان کو میرے ساتھ بھیجیے کہ ہم اٹھیں اور جاویں تا کہ ہم اور تُو اور ہمارے بچے جیویں اور مر نہ جاویں اور میں اس کا ضامن ہوتا ہوں، تُو میرے ہی ہاتھ سے اسے طلب کیجیو اگر میں اسے تیرے پاس نہ لاؤں اور تیرے سامنے نہ بٹھاؤں تو یہ گناہ ابد تک میری گردن پر رکھیو۔''{۱۲۴}

حکمت و ہدایت:

۱......موضوعِ سخن کچھ بھی کیوں نہ ہو، اللہ کے نیک بندے ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے

{۱۲۳} أی ماذا نطلب وراء ما وصفنا لك من احسان الملك الينا...... (المراغی ۱۳/۱۴)
{۱۲۴} (عہدِ عتیق، تکوین ۴۳: ۸-۹/ص ۵۳،۵۴)

ذکراوراس کی حمدوثناء کا پہلو نکال ہی لیتے ہیں...... بات ہورہی تھی برادرانِ یوسف کی ضمانت اور اعتماد، عدمِ اعتماد کی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے گفتگو کا رخ پھیر دیا رحمٰن ورحیم کی طرف، فرمایا "فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ"

۲...... بھائیوں کی طرف سے بنیامین کی حفاظت کے زوردار وعدوں کی ایک وجہ اپنے سابقہ جرم کا احساس تھا اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ والدین کی نظر میں یوسف علیہ السلام کی محبوبیت نے انہیں جس حسد میں مبتلا کر دیا تھا، وہ حسد بنیامین سے نہ تھا۔

۳......سابقہ تجربہ کی بناء پر حضرت یعقوب علیہ السلام حساس اور چوکنا ہو گئے تھے اسی لیے انہوں نے بنیامین کے بارے میں عہد و پیمان کا زیادہ اہتمام کیا اور یہی مسلمان کی شان ہے کہ وہ ایک دفعہ ڈسے جانے کے بعد محتاط ہو جائے۔

۴......قرآن نے "حمل بعیر" یعنی بارِ شتر کو جو صراحۃً ذکر کیا ہے، تو ممکن ہے اس میں ایک حکمت بائبل کی تصحیح ہو کیونکہ بائبل میں اونٹ کے بجائے گدھے کا ذکر ہے، توریت میں ہے:

"اور انہوں نے گدھوں پر غلّہ لادا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔" {۱۲۵}

حالانکہ عرب ملکوں میں لمبے سفر میں باربرداری کے لیے گدھے کے بجائے اونٹ استعمال ہوتا ہے، خصوصاً ریگستانی صحراؤں میں تو گدھا چل ہی نہیں سکتا، خاندانِ یعقوب کے حالات کے مطالعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ہاں اونٹوں کی بہتات تھی۔

۵......کسی سے ایسا وعدہ نہیں لینا چاہیے جس کا ایفاء اس کے اختیار میں نہ ہو، حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے بنیامین کی بحفاظت واپسی کا وعدہ لیتے

{۱۲۵} (عہدِ عتیق، تکوین باب ۴۲: ۲۶/ص ۵۳)

ہوئے خود ہی استثناء بھی کر دیا کہ ''اگر تم کسی وجہ سے بالکل ہی لاچار ہو جاؤ'' تو تم ذمہ دار نہ ہو گے، ہمارے آقا ﷺ جب صحابہ سے اطاعت کا وعدہ لیتے تو اس میں ازخود ''استطاعت'' کی قید لگا دیتے۔

۶......اولاد سے اگر غلطی ہو جائے تو ان کی اصلاح کی فکر کی جائے، جلد بازی میں نہ تو انہیں بددعا دی جائے اور نہ ہی قطع تعلق کیا جائے، برادرانِ یوسف سے ایک نہیں کئی غلطیاں ہوئیں اور وہ بھی شدید ترین مگر پھر بھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں نہ تو عاق کیا نہ گھر سے نکالا بلکہ مسلسل ان کی اصلاح اور تربیت کے لیے فکرمند رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بالآخر اپنی خطاؤں پر ندامت اور ان سے توبہ کی توفیق عطا فرمادی۔

۷......حُسنِ خلق اور حُسنِ معاملہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لازمی اوصاف میں سے ہیں۔

۸......اصلاح کی نیت سے اگر خطاکار کو اس کی غلطی جتلا دی جائے تو کوئی حرج نہیں تاکہ وہ شرمندہ ہو کر اس سے کلی طور پر تائب ہو جائے، البتہ محض ذلیل کرنے کے لیے اسے غلطی جتلانا جائز نہیں۔

۹......مؤمن اصل بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرتا ہے، وہی ہے جو اسباب میں اثر اور جان پیدا کرتا ہے، جو شخص ظاہری اسباب اور انسانوں پر حقیقی بھروسہ کرے، وہ سخت غلطی کا ارتکاب کرتا ہے۔

۱۰......اگر اپنے سامان میں سے کسی دوسرے شخص کا مال نکلے اور مضبوط قرائن سے ثابت ہوتا ہو کہ اس نے ہمیں دینے ہی کے لیے ہمارے سامان میں رکھا ہے، تو اس کا لینا اور اس میں تصرّف کرنا جائز ہے۔

۱۱......مالی ضمانت کے جواز پر تمام علماء کا اتفاق ہے مگر شخصی ضمانت کے جواز میں بعض

حضرات کا اختلاف ہے، مذکورہ آیت (٦٦) سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔{١٢٦}

تدبیر اور تقدیر

﴿٦٧......٦٨﴾

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ

اور کہا اے بیٹو! نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جدا جدا اور

اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ

میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی بات سے، حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ چاہیے

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ

بھروسہ کرنے والوں کو O اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا ان کے باپ نے کچھ نہ بچا سکتا تھا

عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا

ان کو اللہ کی کسی بات سے مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں سو پوری کر چکا، اور وہ تو خبردار تھا جو کچھ

عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾

ہم نے اس کو سکھایا، لیکن بہت لوگوں کو خبر نہیں O

تسہیل: یعقوب نے بیٹوں کو رخصت کرتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ مصر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا، یہ محض ایک ظاہری تدبیر ہے ورنہ میں تمہیں اللہ کے کسی حکم سے نہیں بچا سکتا، حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے، میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے O جب وہ مصر میں اپنے والد کے مشورہ کے مطابق داخل ہوئے تو وہ تدبیر انہیں اللہ کے حکم سے نہ بچا سکی، وہ تو بس یعقوب کے دل کا ایک ارمان تھا جسے اس

{١٢٦} (درج شدہ مسائل وہدایات میں سے چند "معارف القرآن" سے ماخوذ ہیں، تفصیل کے لیے دیکھیے "معارف ٥/١٠٥-١٠٦ ...... مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ)

نے پورا کر دیا تھا، بلاشبہ یعقوب صاحبِ علم تھے کیونکہ ہم نے انہیں علم عطا کیا تھا لیکن اکثر لوگ علمِ حقیقی سے محروم ہوتے ہیں O

﴿تفسیر﴾

﴿۶۷﴾......اولاد کے ساتھ والدین کی محبت بھی عجیب چیز ہوتی ہے، موہوم خطرات بھی انہیں پریشان کر دیتے ہیں، کڑیل جوان انہیں کل کے بچے نظر آتے ہیں، انبیاء اور صلحاء کے دل آلائشوں سے پاک ہونے کی وجہ سے زیادہ حساس ہوتے ہیں، تدیّن اور تقوٰی فطری جذبات کی موت کے بجائے ان کی نشو ونما کا سبب بنتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو سفر پر روانہ کرتے ہوئے اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے، اتفاق اور محبت سے رہنے کے بارے میں نمعلوم کیا کیا نصیحتیں فرمائی ہوں گی، قرآن نے ان میں سے صرف ایک نصیحت کا ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ مصر میں کسی ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا، اس نصیحت کے پیچھے جو جذبہ کارفرما تھا وہ انہیں حسد اور نظرِ بد سے بچانے کا تھا، محبت سے بھرا ہوا دل رکھنے والے باپ نے جب اپنے گیارہ خوبصورت تنومند اور نوجوان بیٹوں کو دیکھا تو انہیں یہ خدشہ پریشان کرنے لگا کہ جب یہ گیارہ اکٹھے شہر میں داخل ہوں گے تو ان کی وجاہت اور جمعیت کی وجہ سے نگاہیں ان کی طرف ضرور اٹھیں گی، گزشتہ سفر میں بادشاہ کی طرف سے ان کا جو غیر معمولی اکرام ہوا تھا وہ بھی مصر کے شہریوں کو یاد ہوگا، کہیں انہیں دیکھ کر وہ حسد میں مبتلا نہ ہو جائیں{۱۲۷} یا ان کی نظر انہیں نہ لگ جائے{۱۲۸} اس لیے آپ نے دو دو چار چار کی صورت میں الگ الگ

{۱۲۷} فلم یأمن علیھم حسد الناس (کبیر ۶، ۱۸/۴۸۳)

{۱۲۸} قال المفسّرون: خاف علیھم من العین ان دخلوا مجتمعین إذ کانوا أھل جمال وھیبۃ (صفوۃ التفاسیر ۲/۵۹، دار القرآن الکریم، بیروت) وجوز أن یکون خوفہ علیہ السلام علیھم من العین (روح المعانی ۸، ۲۳/۱۳)

دروازوں سے داخل ہونے کی تاکید فرمائی۔

﴿وَمَآ أُغْنِي عَنكُم﴾ ساتھ ہی یہ بھی وضاحت فرمادی کہ یہ محض ایک تدبیر ہے لیکن اگر اللہ تمہیں کسی آزمائش میں ڈالنا چاہے تو میری تدبیر تمہیں نہیں بچاسکتی، ساری کائنات پر اسی کا حکم چلتا ہے، اس کے حکم کے مقابلے میں کسی کی تدبیر اور چاہت نہیں چل سکتی، ظاہری اسباب اور تدبیریں بھی اس لیے اختیار کی جاتی ہیں کہ اللہ کا حکم ہے ورنہ جہاں تقدیر ہو وہاں تدبیر بے اثر ہو جاتی ہے۔

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ عبرت حاصل کریں اللہ کے نیک بندوں کو معاذ اللہ! الوہیت کے منصب پر فائز کرنے والے، دیکھیں کیا تواضع اور عبدیت اور اپنی ذات کی نفی پائی جاتی ہے ان کے کلام میں اور کیسے وہ بات بات میں اللہ کی قدرت و حاکمیت اور حمد وثناء کو لے آتے ہیں۔

﴿فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ سب توکل کرنے والے جن میں انبیاء سرِفہرست ہیں چونکہ اللہ پر توکل کرتے ہیں اسی لیے میں بھی اسی پر توکل کرتا ہوں۔{۱۲۹}

﴿۶۸﴾...... برادرانِ یوسف اپنے والد کی وصیت کے مطابق مختلف دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے مگر اللہ کی طرف سے انہیں جس آزمائش میں ڈالنے کا فیصلہ ہو چکا تھا، یہ تدبیر انہیں اس آزمائش سے بچانے میں سودمند ثابت نہ ہوئی، جس حادثہ سے بچانے کے لیے والدِ محترم نے اس تدبیر پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا وہ حادثہ تو پیش نہ آیا اور جس حادثے سے وہ دوچار ہوئے اس کی طرف حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظر نہیں گئی اور نہ ہی وہ کسی کے وہم وگمان میں تھا۔

﴿إِلَّا حَاجَةً﴾ کیسے کیسے نکتے ہیں جو اشاروں کنایوں میں بیان ہورہے ہیں اور

{۱۲۹} "فلیتوکل" الفاء لافادة التسبیب فان فعل الانبیاء سبب لان یقتدی بهم (بیضاوی ۳/۲۹۹)

کیسے کیسے شرعی اور نفسیاتی عقدے ہیں جو اللہ کی کتاب کھول رہی ہے، سمجھایا جارہا ہے کہ تقدیر تو بہرحال ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں مگر تدبیر بھی لایعنی اور فضول چیز نہیں، اگر فضول چیز ہوتی تو اللہ کا نبی کبھی اسے اختیار نہ کرتا، معاملہ کسی ایک نبی کا نہیں تمام انبیاء بلکہ سید الانبیاء ﷺ نے بھی بے شمار مواقع پر مناسب تدابیر اختیار فرمائیں۔

قرآن کہتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں ایک ارمان تھا جو انہوں نے بیٹوں کو وصیت کی صورت میں پورا کرلیا، جب دل کے جائز ارمان نکال لینا مرتبۂ نبوت کے منافی نہیں تو عام مسلمان کے مقام اور مرتبہ کے منافی کیسے ہوسکتا ہے؟

﴿وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ﴾ کوئی حرمان نصیب یہ نہ سمجھے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو تقدیر کی طاقت اور اس کے مقابلے میں تدبیر کی بے چارگی کا علم نہ تھا، وہ صاحبِ علم تھے اور علم بھی کتابی اور اکتسابی نہیں بلکہ وہبی! اسی علم نے انہیں ظاہری تدبیر اختیار کرنے مگر اسے مؤثرِ حقیقی نہ سمجھنے کا راستہ دکھایا تھا اور یہی تقاضا ہے علمِ حقیقی کا۔

حکمت و ہدایت:

ا...... ایک انسان کی دوسرے کو نظر لگ جانا حق ہے اور اس سے نقصان بھی ہوسکتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿العین حق﴾{۱۳۰} ''نظر کا اثر ہونا ایک حقیقت ہے۔''

آپ نظر لگنے سے ان الفاظ میں اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے:

﴿أعوذ بكلمات الله التامة من كل شيطان وهامّة ومن كل عين لامّة﴾{۱۳۱} ''میں اللہ کے کامل کلمات کے ذریعے پناہ مانگتا ہوں ہر شیطان سے، زہریلے کیڑے سے اور نظرِ بد سے۔''

{۱۳۰} (بخاری ۲، کتاب الطب/۸۵۴)
{۱۳۱} (ابن ماجه، کتاب الطب/۲۵۱)

اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما پر ان کلمات سے دم فرماتے تھے:

﴿اعیذ کما بکلمات اللہ التامّۃ من کل شیطان وھامّۃ ومن کل عین لامّۃ﴾{۱۳۲}

اور دم کے بعد فرماتے کہ: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام پر یونہی دم کیا کرتے تھے۔''{۱۳۳}

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں دن کے ابتدائی حصے میں رسولِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ سخت تکلیف میں ہیں، پھر میں دن کے آخر میں گیا تو آپ کو افاقہ ہو چکا تھا، آپ نے خود ہی بتایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے اور انہوں نے یہ دعا پڑھ کر مجھے دم کیا:

﴿بسم اللہ أرقیک من کل شیء یؤذیک ومن کل عین وحاسد، اللہ یشفیک﴾{۱۳۴}

''اللہ کے نام سے ہر ایسی چیز سے آپ پر دم کرتا ہوں جو آپ کو تکلیف دیتی ہے اور ہر نظرِ بد اور حاسد سے، اللہ آپ کو بیماری سے شفا عطا فرمائے۔''

ہمارے آقا ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی چیز پسند آئے تو اس کے لیے برکت کی دعا کیا کرو، اس طرح وہ نظرِ بد کے اثر سے محفوظ رہے گی اور اگر کسی کو نظر لگ ہی جائے تو اس کے دفعیہ کی تدبیر یہ بتائی گئی ہے کہ جس کے بارے میں خیال ہو کہ اس کی نظر لگی ہے، اس کے وضو کا پانی کسی برتن میں جمع کر کے نظر زدہ پر ڈالا جائے۔

صحابہ کرام میں حضرت سہل بن حُنیف کا واقعہ مشہور ہے کہ انہیں حضرت عامر بن ربیعہ کی نظر لگ گئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے عامر کو وضو کرنے اور ان کے وضو کا پانی سہل بن

{۱۳۲} (ابوداؤد۲، کتاب شرح السنّۃ/۳۰۴)
{۱۳۳} (المرجع السابق نفسہ والصّفحۃ نفسھا)
{۱۳۴} (مسنداحمد۶/۳۳۲......۳/۲۸، ۵۶-۵۸، ۱۵۱)

حُنیف کے بدن پر ڈالنے کا حکم دیا، حکم کی تعمیل کی گئی اور وہ بالکل تندرست ہو گئے، آپ ﷺ نے عامر بن ربیعہ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿علام یقتل احدکم اخاہ الاّ برّکت ان العین حق﴾{۱۳۵}

"تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ تم نے ان کا خوبصورت بدن دیکھ کر ان کے لیے برکت کی دعا کیوں نہ کی؟ کیا جانتے نہیں کہ نظر کا اثر ہو جانا حق ہے؟"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی دوسرے کے جان و مال میں کوئی چیز اچھی لگے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کرنی چاہیے، بعض روایات میں ہے کہ "ماشاء اللہ لاقوۃ الاّباللہ" کہنے سے نظرِ بد کا اثر جاتا رہتا ہے۔

۲......لوگوں کے حسد سے بچنے کے لیے اپنی مخصوص نعمتوں اور اوصاف کا چھپانا درست ہے۔(۶۷)

۳......ظاہری تدابیر اور اسباب کا اختیار کرنا نہ شانِ انبیاء کے خلاف ہے اور نہ ہی توکل کے منافی ہے، البتہ ان کو مؤثرِ حقیقی سمجھ لینا توکل کے منافی ہے۔(۶۷)

۴......اگر کسی شخص کے بارے میں ہمیں اندیشہ ہو کہ اسے کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے تو اسے بچاؤ کی ممکن تدبیر کے بارے میں آگاہ کر دینا چاہیے کیونکہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔(۶۷)

۵......تدبیر کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو، تقدیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

۶......نظرِ بد سے بچنے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے، سب سے مؤثر تدبیر مسنون دعائیں ہیں۔

۷......حقیقی علم اللہ کی مرضیات اور ایمانیات کا علم ہے اور حقیقی صاحب علم وہ ہے جو علم پر عمل بھی کرے۔

{۱۳۵} (مستدرک حاکم ۴/۲۱۵، مسند احمد ۴/۳۸۶، موطا ۲/۹۳۹......بحوالہ قرطبی ۹/۱۹۲)

بھائی کو روکنے کی تدبیر

﴿۶۹......۷۶﴾

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا

اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس اپنے پاس رکھا اپنے بھائی کو، کہا تحقیق میں ہوں بھائی تیرا سو غمگین مت ہو ان کاموں

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ

سے جو انہوں نے کیے ہیں O پھر جب تیار کر دیا ان کے واسطے اسباب ان کا رکھ دیا پینے کا پیالہ اسباب میں اپنے بھائی کے

اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

پھر پکارا پکارنے والے نے اے قافلہ والو! تم تو البتہ چور ہو O کہنے لگے منہ کر کے ان کی طرف تمہاری کیا چیز گم ہوگئی؟ O

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

بولے ہم نہیں پاتے بادشاہ کا پیمانہ اور جو کوئی اس کو لائے اس کو ملے ایک بوجھ اونٹ کا، اور میں ہوں اس کا ضامن O

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا

بولے قسم اللہ کی، تم کو معلوم ہے ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے O بولے

فَمَا جَزَآؤُهٗ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ

پھر کیا سزا ہے اس کی، اگر تم نکلے جھوٹے O کہنے لگے اس کی سزا یہ کہ جس کے اسباب میں سے ہاتھ آئے وہی اس کے بدلے میں

كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا

جائے، ہم یہی سزا دیتے ہیں ظالموں کو O پھر شروع کیں یوسف نے ان کی خرجیاں دیکھنی اپنے بھائی کی خرجی سے پہلے، آخر

مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ

کو وہ برتن نکالا اپنے بھائی کی خرجی سے، یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف کو وہ ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین میں اس بادشاہ کے مگر جو

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

چاہے اللہ ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں اور ہر جاننے والے سے اوپر ہے ایک جاننے والا O

تسہیل: اور جب سب بھائی یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے تنہائی میں اپنے بھائی سے ملاقات کر کے اسے بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں تو جو کچھ یہ ہمارے ساتھ

کرتے رہے ہیں، اس پر غم نہ کروO پھر جب یوسف نے واپسی کے لیے بھائیوں کا سامان تیار کر دیا تو ایک قیمتی پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں رکھوا دیا، پھر جب یہ روانہ ہوگئے تو ایک منادی نے زور سے آواز دے کر کہا، اے قافلے والو! تم چور ہوO قافلے والوں نے پلٹ کر پوچھا، تمہاری کیا چیز کھوگئی ہے؟O انہوں نے جواب دیا، ہمیں شاہی پیمانہ نہیں مل رہا اور جو کوئی یہ پیمانہ لائے گا اسے بارِ شتر غلّہ بطور انعام دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن ہوںO انہوں نے کہا اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں چوری اور فساد کے لیے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چوری کیا کرتے ہیںO بادشاہ کے خدام نے پوچھا، اچھا یہ بتاؤ اگر تم اپنی بات میں جھوٹے ثابت ہوئے تو چور کی کیا سزا ہوگی؟O انہوں نے جواب دیا کہ جس کے سامان سے وہ پیالہ نکلے اسے اس کی سزا میں گرفتار کرلیا جائے، ہم ظالموں کو یونہی سزا دیا کرتے ہیںO پس یوسف نے اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں کی تلاشی لی پھر اسے اپنے بھائی کے تھیلے سے برآمد کرلیا، یہ تدبیر ہم نے یوسف کو بتائی تھی ورنہ ملکی قانون کے مطابق وہ اپنے بھائی کو پکڑنے کے مجاز نہ تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے، ہم جسے چاہتے ہیں اس کے درجات بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے سے بالاتر کوئی علم والا ہےO

تفسیر

﴿۶۹﴾......قرآن قصوں اور کہانیوں کی کتاب نہیں، یہ تو انسان سازی کا ہدایت نامہ ہے، کوئی قصہ کتنا ہی دلچسپ کیوں نہ ہو، اس کی ساری جزئیات قرآن بیان نہیں کرتا بلکہ صرف اس حصے کے ذکر کرنے پر اکتفاء کرتا ہے جس میں انسانِ مطلوب کی اصلاح وفلاح اور تعلیم وتربیت کا کوئی پہلو پوشیدہ ہوتا ہے۔

جب برادرانِ یوسف مصر میں دوبارہ آئے تو قرآن بتاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام

نے مناسب موقع دیکھ کر بنیامین کو بتادیا کہ آزمائش کے دن ختم ہوگئے ہیں، جو کچھ سوتیلے بھائی تمہارے ساتھ کرتے رہے ہیں اسے بھول جاؤ، میں تمہارا بھائی ہوں، اب تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔

اسرائیلی روایات میں جو تفصیلات ہوتی ہیں وہ ضروری بھی نہیں ہوتیں اور ساری کی ساری مبنی بر حقیقت بھی نہیں ہوتیں، بعض مفسرین ان کے ایسے حصے بیان کردیتے ہیں جن میں دلچسپی کا کوئی پہلو ہوتا ہے یا پیچ کی کڑیوں کی کوئی تفصیل ہوتی ہے، جیسے اس موقع پر کہا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے آنے والے مہمانوں میں سے ہر دو افراد کے لیے الگ الگ کرنے کا انتظام کیا، بنیامین اکیلے رہ گئے انہیں اپنے ساتھ ٹھہرالیا، ان سے خاندانی حالات کے بارے میں پوچھا، انہوں نے حالات بتاتے ہوئے اپنے ہلاک ہوجانے والے بھائی کا بھی ذکر کردیا، جنابِ یوسف نے پوچھا، کیا تم پسند کروگے کہ اسی ہلاک شدہ بھائی کے بدلے میں تمہارا بھائی بن جاؤں؟ بنیامین نے جواب دیا تمہارے جیسا بھائی کسے میسّر آسکتا ہے؟ مگر حقیقی بھائی کا بدل تو کوئی نہیں ہوسکتا، حضرت یوسف علیہ السلام جذباتی ہوکر رو پڑے اور بنیامین کو سینے سے لگا کر کنعان کے کنویں سے لیکر مصر کی بادشاہت تک پہنچنے کی ساری داستان سنادی۔{۱۳۶}

﴿۷۰﴾......حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کا سامان تیار کروانے کے بعد وہ کٹورا اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھوادیا جس میں پانی بھی پیا جاتا تھا اور غلّہ ناپنے کا کام بھی اس سے لیا جاتا تھا، پھر جب یہ کارواں، کنعان جانے کے ارادے سے نکل کھڑا ہوا اور شاہی مہمان خانہ کے اہلکاروں کو وہ کٹورا غائب نظر آیا تو انہیں گیارہ نوجوانوں پر مشتمل اسی کارواں پر شک گزرا جو وہاں ٹھہرا ہوا تھا، انہوں نے اس کارواں

{۱۳۶} (کشاف ۲/۱۴۲)

کا تعاقب کرتے ہوئے اپنے ظنِ غالب کی بناء پر آواز دی کہ تم چور ہو۔{۱۳۷}

تدبیر کیوں؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کے لیے یہ جو تدبیر اختیار کی اس میں چند چیزوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۱......آپ نے جو کچھ کیا اللہ کے حکم سے کیا، جیسا کہ آیت ۷۶ میں ہے ''اسی طرح کی تدبیر ہم نے یوسف کو سکھائی'' جب آپ نے اللہ کے حکم سے یہ تدبیر اختیار کی تو اس کے جواز میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے۔

۲......جن بھائیوں کے ہاتھوں آپ خود زخم اٹھا چکے تھے، آپ کے دل نے گوارا نہ کیا کہ بنیامین کو انہی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں، آتے ہوئے انہوں نے اس لیے بھی حفاظت کی تھی کیونکہ اس کے بغیر انہیں غلّہ ملنے کی کوئی امید نہ تھی جبکہ واپس جاتے ہوئے والد کے سامنے کیے گئے عہد و پیمان کے سوا کوئی دوسری رکاوٹ نہ تھی، مگر عہد و پیمان تو انہوں نے یوسف کے معاملے میں بھی کیا تھا۔

۳......حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے ان کے خادموں نے جو کچھ کیا وہ ''توریہ'' تھا، توریہ ذو معنی بات کو کہا جاتا ہے، جو بجائے خود صحیح اور سچی ہوتی ہے لیکن اس کے کہنے یا کرنے کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ مخاطب مغالطہ میں پڑ جاتا ہے، توریہ نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں مصلحتِ حق کی خاطر ضروری ہو جاتا ہے، برادرانِ یوسف اگر چہ شاہی کٹورا کے چور نہ تھے مگر اس میں کیا شک ہے کہ انہوں نے یوسف کو یعقوب سے جدا کرنے میں چوروں والا کردار ادا کیا تھا۔

۴...... یہ بھی ضروری نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم ہی سے ملازمین نے

{۱۳۷} فلم یکن قول ھذا القائل کذبا اذ کان مرجعه الی غالب ظنه (جصّاص ۳/۱۷۵)

اہلِ کارواں پر چوری کا الزام لگایا ہو، ممکن ہے کہ شاہی پیانہ (جو یقیناً قیمتی ہوگا) کی گمشدگی کی افواہ پھیلتے ہی ملازموں کی دوڑیں لگ گئی ہوں اور بعض قرائن کی بناء پر ان کی نظریں کنعانی قافلہ کی طرف اٹھی ہوں۔

۵...... مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ کچھ وقت کے لیے حقائق پر پردہ پڑا رہنے دیا جائے، اللہ کی طرف سے بھی بھائیوں پر افشائے راز کی اجازت نہ تھی، دوسری طرف ملکی قانون ثبوتِ جرم کے بغیر کسی کو اپنے پاس روکنے کی اجازت نہ دیتا تھا، ملکی قانون جبکہ مبنی بر عدل ہو، اس کی پاسداری ضروری ہے، اب بنیامین کو روکنے کی وہی مناسب صورت رہ جاتی تھی جو اختیار کی گئی، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہ تھی اور مروّجہ قانون بھی اس کی اجازت دیتا تھا...... اب اگلی آیت کو لیجیے:

﴿۷۱﴾...... جاتے ہوئے قافلے نے پلٹ کر پوچھا، کونسا سامان گم ہوگیا ہے جو ہم پر الزام دھرا جارہا ہے؟

﴿۷۲﴾...... شاہی کارندوں نے بتایا، شاہی پیانہ! اور جو کوئی اس کی دریافت میں مدد دے گا، اسے بارِ شتر غلّہ بطور انعام دیا جائے گا، خشک سالی کے زمانے میں غلّے کی یہ مقدار بہت بڑا انعام تھی۔

﴿وَاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ﴾ لگتا ہے کوئی اہم سرکاری آفیسر ہوگا {۱۳۸} جس نے چلتے قافلے کو روک کر پہلے فردِ جرم سنائی، پھر انعام کا اعلان کیا اور اس پر ضمانت بھی قبول کر لی۔

﴿۷۳﴾...... اندازِ گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہی مہمان ہونے کی وجہ سے سرکاری عہدیداروں سے برادرانِ یوسف کا میل ملاپ رہا ہوگا، وہ ان کے عالی نسب ہونے سے بھی آگاہ ہوگئے ہوں گے، عام ملازمین ان کی خدمت اور دیکھ بھال میں خوشی محسوس کرتے ہوں گے، حسد کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک غلط حرکت کا ہو جانا الگ

{۱۳۸} "واَنا به زعیم"...... الزعیم الرئیس (قرطبی ۹/۱۹۷)

بات ہے ورنہ ان کی عمومی زندگی میں وقار اور سنجیدگی ہوگی، اس لیے انہوں نے چوری کا الزام سننے کے بعد جواب دیا کہ تم گزشتہ سفر میں بھی ہمارے معاملات دیکھ چکے ہو، ہمارے خاندانی پسِ منظر اور مقصدِ سفر سے بھی تم آگاہ ہو، اس لیے تم سے یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ہم مصر میں نہ فتنہ وفساد کے لیے آئے ہیں اور نہ ہی چوری چکاری ہمارا پیشہ ہے۔

﴿۷۴﴾......شاہی ملازمین نے پوچھا کہ اگر تم اپنی بات میں جھوٹے ثابت ہوئے تو تم خود ہی بتا دو کہ چور کو کیا سزا دی جائے؟

﴿۷۵﴾...... برادرانِ یوسف نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق جواب دیا کہ جس شخص کے پاس چوری کا مال برآمد ہو، مالک کو حق حاصل ہے کہ اسے اپنا غلام بنا کر رکھ لے۔

﴿۷۶﴾......سرکاری کارندوں نے اپنے آقا کے حکم کے مطابق سارے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لینے کے بعد آخر میں یہ پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد کرلیا، اس پیالے کی برآمدگی نے سارے بھائیوں کی گردنیں شرم سے جھکا دیں۔

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ﴾ اللہ فرما رہے ہیں کہ اس حیلہ سازی میں ہمارے معصوم پیغمبر کو مطعون نہ کیا جائے کیونکہ انہوں نے اپنے نفس کی چاہت پر یہ تدبیر اختیار نہیں کی تھی بلکہ یہ راستہ ہم نے انہیں سکھایا تھا۔

﴿مَا كَانَ لِيَأْخُذَ﴾ مصری قانون کے لحاظ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے بنیامین کو گرفتار کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ چور کے بارے میں مصر کا قانون یہ تھا کہ مارنے پیٹنے کے ساتھ اس سے مالِ مسروق کا دوگنا وصول کرلیا جائے{۱۳۹} لیکن چونکہ اللہ کو یہی منظور تھا کہ بنیامین کو مصر میں روک لیا جائے اس لیے خود اس کے

{۱۳۹} کان حکم الملک فی السارق ان یضرب ویغرم ضعفی ماسرق (کبیر ۱۸۰۶/۴۸۹)

سرپرست بھائیوں کی زبان سے یہ نکل گیا کہ ہم میں سے جس کی چوری ثابت ہو جائے، اسے غلام بنا لینے کا آپ کو اختیار ہوگا۔

حکمت وہدایت:

ا......قدرت حاصل ہونے کے باوجود زیادتی کرنے والے کے ماضی کو فراموش کر دینا اور بدلتے حالات کا خوشدلی سے استقبال کرنا اہلِ ایمان کی شان ہے۔(۶۹)

۲......ایسا حیلہ اختیار کرنا جائز ہے جس سے کوئی شرعی حکم باطل نہ ہوتا ہو۔(۷۰)

۳......کسی مصلحت کی بناء پر توریہ یعنی ذو معنی بات کہنا جائز ہے۔(۷۰)

۴......اگر ظنِ غالب کی بناء پر کسی کو چور کہہ دیا جائے تو اس پر کذب کا اطلاق نہیں ہوگا۔(۷۰)

۵......کفالت بالمال اور کفالت بالنفس دونوں جائز ہیں{۱۴۰} یعنی ملزم کو معین وقت اور جگہ پر حاضر کرنے یا اس کے ذمہ اگر کوئی مالی حق ہو تو اسے ادا کرنے کی ضمانت دینا جائز ہے۔(۷۰)

۶......مالی کفالت کی صورت میں مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو اصل مدیون سے اپنا حق وصول کرے یا ضامن سے، اگر اس نے ضامن سے وصول کیا تو ضامن کو حق حاصل ہوگا کہ جتنا مال اس سے لیا گیا ہے، وہ اصل مدیون سے وصول کرلے۔

۷......کسی مجرم کی گرفتاری یا گمشدہ چیز کی واپسی پر اجرت یا انعام کا اعلان کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔(۷۰)

۸......اللہ تعالیٰ کے معاملات اپنی مخلوق کے ساتھ مختلف ہیں، وہ کسی کو عزت دیتا ہے اور کسی کو ذلیل کرتا ہے، کسی کے درجات بلند کرتا ہے اور کسی کو پستی میں گرا دیتا ہے۔(۷۶)

۹......اس دنیا میں ہر صاحبِ علم سے زیادہ علم والا کوئی نہ کوئی ہے اور سب سے بڑا عالم اللہ ہے، جیسے وہ خود لامحدود ہے اس کا علم بھی لامحدود ہے۔(۷۶)

{۱۴۰} قولہ "وأنابه زعيم" أصل في الضمان والكفالة (تفسير القاسمي ۲۵۸/۹)

بنیامین کی گرفتاری پر بھائیوں اور والد کے تأثرات

﴿۷۷......۸۷﴾

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ

کہنے لگے، اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی اس کے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے تب آہستہ سے کہا یوسف نے اپنی جی

يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ

میں اور ان کو نہ جتایا، کہا جی میں کہ تم بدتر ہو درجہ میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو O کہنے لگے اے عزیز! اس کا

اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

ایک باپ ہے بوڑھا بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک کو ہم میں سے اس کی جگہ، ہم دیکھتے ہیں تو ہے احسان کرنے والا O

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا

بولا اللہ پناہ دے کہ ہم کسی کو پکڑیں مگر جس کے پاس پائی ہم نے اپنی چیز تو تو ہم ضرور بے انصاف ہوئے O پھر جب

اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ

ناامید ہوئے اس سے اکیلے ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو، بولا ان میں بڑا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے

عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ

عہد اللہ کا؟ اور پہلے جو قصور کر چکے ہو یوسف کے حق میں، سو میں تو ہرگز نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو

حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ

باپ میرا یا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا O پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو اے

فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ

باپ! تیرے بیٹے نے تو چوری کی اور ہم نے وہی کہا تھا جو ہم کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی بات کا

حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا

دھیان نہ تھا O اور پوچھ لے اس بستی سے جس میں ہم تھے، اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بے شک

لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ

سچ کہتے ہیں O بولا کوئی نہیں، بنالی ہے تمہارے جی نے ایک بات، اب صبر ہی بہتر ہے شاید اللہ لے آئے میرے پاس

يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ

اُن سب کو وہی ہے خبردار حکمتوں والا ○ اور الٹا پھرا ان کے پاس سے، اور بولا اے افسوس یوسف پر اور سفید ہو گئیں

عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ

آنکھیں اس کی غم سے سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا ○ کہنے لگے قسم اللہ کی تو نہ چھوڑے گا

يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي

یوسف کی یاد کو جب تک کہ گھل جائے یا ہو جائے مردہ ○ بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے

وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ يَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ

اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے ○ اے بیٹو! جاؤ اور تلاش کرو

يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا

یوسف کی اور اس کے بھائی کی اور ناامید مت ہو اللہ کے فیض سے بے شک ناامید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی

الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ۝

لوگ جو کافر ہیں ○

تسہیل: قافلے والوں نے کہا، اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ اس کا ایک بھائی بھی تھا وہ بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے، یوسف نے ان پر ظاہر کیے بغیر دل ہی دل میں کہا کہ تم بہت برے لوگ ہو اور جو کچھ تم ہم دونوں بھائیوں کے بارے میں کہہ رہے ہو اس کی صحیح حقیقت اللہ ہی جانتا ہے ○ اہلِ کارواں نے درخواست کی کہ اے عزیز! بنیامین کے والد بہت بوڑھے ہیں، وہ اس کی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر پائیں گے، آپ ایسا کیجیے کہ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نیکوکار انسانوں میں سے ہیں ○ یوسف نے کہا معاذ اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور کو گرفتار کر لیں جس سے ہمارا سامان برآمد ہوا ہے، اس صورت میں تو ہم بڑے ظالم ہوں گے ○ پھر جب وہ یوسف سے ناامید

ہو گئے تو تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟ ان بھائیوں میں جو سب سے بڑا تھا، اس نے کہا، کیا تم نہیں جانتے کہ والد نے اللہ کی قسم دے کر تم سے عہد لیا ہے؟ اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں بھی تم سخت کوتاہی کر چکے ہو، میں تو یہاں سے اس وقت تک نہ ہلوں گا جب تک میرے والد مجھے واپسی کی اجازت نہ دے دیں یا اللہ ہی میرے لیے کوئی فیصلہ فرما دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے O جاؤ! اپنے والد کے پاس جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ آپ کے صاحبزادے نے چوری کی ہے، ہم آپ کے سامنے وہی کچھ بیان کرتے ہیں جو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ورنہ غیب کا علم تو ہمیں بالکل نہیں ہے O اگر ہماری بات پر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ اس بستی والوں سے پوچھ لیجیے جہاں ہم گئے تھے یا اس قافلہ والوں سے دریافت فرما لیجیے جن کی معیت میں ہم واپس آئے ہیں، یقین جانیے ہم بالکل سچ کہتے ہیں O یعقوب علیہ السلام نے فرمایا، مجھے تو لگتا ہے کہ تم نے اپنی طرف سے ایک کہانی بنا لی ہے مگر میرے لیے صبر کرنا ہی بہتر ہے، مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ مجھے ان سب سے ملوا دے گا، بلاشبہ وہ علیم اور حکیم ہے O یہ کہہ کر یعقوب علیہ السلام نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا اور کہنے لگے، ہائے یوسف! اور غم سے روتے روتے ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ دل ہی دل میں گھٹتے رہتے تھے O بیٹے بولے، اللہ کی قسم! آپ تو یوسف ہی کی یاد میں تڑپتے رہیں گے یہاں تک کہ جاں بلب ہو جائیں گے یا ہلاک ہی ہو جائیں گے O فرمایا، میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس اللہ ہی سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے O اے میرے بیٹو! جاؤ! یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، اللہ کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوتے ہیں O

﴿تفسیر﴾

﴿۷۷﴾...... جونہی بنیامین کے سامان سے کٹورا برآمد ہوا، برادرانِ یوسف کا اندازِ گفتگو بدل گیا، ان کے دل میں موجود جذبۂ حسد باہر آ گیا اور انہوں نے یوں ظاہر کیا گویا ان کا بنیامین سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، کہنے لگے، اگر اس نے چوری کی ہے تو چنداں تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کے حقیقی بھائی نے بھی یہی حرکت کی تھی اور ظاہر ہے بھائیوں کے اخلاق، عادات اور طبیعتوں میں مشابہت تو ہوتی ہے۔

چوری کی جس واردات کا برادرانِ یوسف نے ذکر کیا، اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں (ان میں سے ہر روایت پر کسی نہ کسی انداز میں جرح کی گئی ہے){۱۴۱}

ایک روایت میں اپنے نانا کے ہاں سے سونے کی مورتی غائب کرنے کا ذکر ہے، دوسری روایت میں پھوپھی کی طرف سے پٹکا یوسف کی کمر سے باندھنے کا ذکر ہے۔

﴿قَالَ اَنۡتُمۡ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام بعض مصلحتوں کی وجہ سے فی الحال حقائق سے پردہ اٹھانا نہیں چاہتے تھے اور ویسے بھی آپ جن کریمانہ اخلاق سے متصف تھے وہ آپ کو بھائیوں کو رسوا اور شرمندہ کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے، اس لیے آپ نے زبان سے تو نہ کہا مگر دل ہی دل میں ضرور کہا کہ ''تم بہت برے لوگ ہو'' کہ جان بوجھ کر بھائی پر چوری کا الزام لگاتے ہو جبکہ خود تمہارا اپنا حال یہ ہے کہ مال تو مال تم نے انسان چرا لیا تھا اور انسان بھی کیسا؟ باپ کا محبوب ترین بیٹا!{۱۴۲}

﴿۷۸﴾...... برادرانِ یوسف نے جب دیکھا کہ بنیامین کے چھوٹنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو اب منت سماجت اور خوشامد پر اتر آئے کہ جناب عالی! اس لڑکے کا

{۱۴۱} علامہ قرطبی اس بارے میں فرماتے ہیں: ''الآثار الواردة فی تعيين المسروق يستأنس بها ولا حجّة فيها، لأن مصدرها كتب الأقدمين (دیکھیے قرطبی ۹/۲۰۳- حاشیہ ۱)

{۱۴۲} انكم سرقتم من أبيكم أحبّ اولاده اليه (المراغی ۱۳/۲۴)

باپ بہت بوڑھا ہے، وہ اپنے عزیز لختِ جگر کی گرفتاری کا صدمہ برداشت نہیں کر پائے گا، آپ ایسا کیجیے کہ ہم میں سے کسی کو غلام بنا لیجیے اور اسے وطن واپس جانے کی اجازت دے دیجیے۔

﴿۷۹﴾......آپ نے فرمایا، کیسی عجیب بات کرتے ہو؟ جرم کسی نے کیا سزا کسی اور کو دوں، یہ تو خود تمہارے اپنے مذہب کے مطابق ظلم ہے، میں اس ظلم کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہوں؟

﴿۸۰﴾......عزیزِ مصر سے مایوس ہونے کے بعد آپس میں سر جوڑ کر بیٹھے کہ کیا کیا جائے؟ انہیں اپنی وہ قسمیں بھی یاد تھیں جو بنیامین کی بحفاظت واپسی کی بابت اپنے والد کے سامنے کھا چکے تھے اور اپنا وہ ظلم بھی یاد تھا جو یوسف پر بلکہ اس کے ساتھ اپنے والد پر بھی ڈھا چکے تھے، اس لیے ان میں سے جو علم اور عقل کے اعتبار سے{۱۴۳} بڑا تھا اس نے حتمی طور پر اعلان کر دیا کہ جب تک والدِ محترم مجھے وطن آنے کی اجازت نہیں دیں گے یا اللہ تعالیٰ بنیامین کی رہائی کی صورت پیدا نہیں کر دیتا{۱۴۴} میں مصر سے ہرگز نہیں نکلوں گا۔

﴿۸۱﴾......اپنائیت کی بات کرتے کرتے ان کی زبان سے کوئی ایسا جملہ نکل ہی جاتا ہے جو اجنبیت اور غیریت کا رنگ لیے ہوتا ہے، یہ صاحب جوان میں علم اور عقل کے اعتبار سے ممتاز ہیں ذرا ان کا اندازِ گفتگو دیکھیے، فرماتے ہیں جاؤ! والدِ گرامی کی خدمت میں جا کر کہو ''آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے'' حالانکہ یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ ہمارے بھائی سے یہ حرکت ہوگئی ہے۔

{۱۴۳}''قال کبیرھم''...... فی العقل (روح المعانی۸، ۵۱/۱۳...... وقیل: کبیرھم فی العقل (کبیر۶، ۴۹۲/۱۸)

{۱۴۴} ''أو یحکم اللہ لی'' ای یحکم لی بخلاص أخی (صفوۃ التفاسیر ۶۳/۲)...... ''أو یحکم اللہ لی'' فی ردّ أخی (تنویر المقباس/۲۵۶)

﴿۸۲﴾...... برادرانِ یوسف کا ماضی ان کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا، انہیں یاد ہے کہ ہم نے یوسف پر کیا ستم ڈھایا تھا اور پھر اس ستم پر پردہ ڈالنے کے لیے کیا کہانی گھڑی تھی، انہیں اندیشہ ہے کہ کہیں بنیامین کے واقعہ کو بھی من گھڑت نہ سمجھ لیا جائے، اس لیے وہ اپنے والد سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر آپ کو ہماری بات پر یقین نہیں ہے تو آپ کسی معتبر آدمی کو بھیج کر مصر سے تصدیق کرا لیجیے یا اس قافلے والوں سے دریافت کر لیجیے جن کے ساتھ ہم نے سفر کیا ہے، اس زمانے میں یہی رواج تھا کہ بہت سارے لوگ مل کر قافلے کی صورت میں سفر کرتے تھے، ایسا کرنے سے وہ راستے کے خطرات سے محفوظ ہو جاتے تھے۔

نیا صدمہ:

﴿۸۳﴾...... بیٹوں نے والد کی خدمت میں حاضر ہو کر روئدادِ سفر سنائی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظروں کے سامنے وہ پورا منظر آ گیا جب یہی بیٹے یوسف کی حفاظت کا وعدہ کر کے اسے جنگل میں اپنے ساتھ لے گئے تھے اور پھر رات گئے ٹسوے بہاتے اور ہائے واویلا کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تھے اور یوسف کی ہلاکت کی ایسی کہانی سنائی تھی جس میں جھول ہی جھول تھے، نہ دل اسے درست مانتا تھا نہ ہی عقل! آج ان کے کان دوسرے محبوب بیٹے کی گرفتاری کی خبر سن رہے تھے اور وہ بھی چوری جیسے قبیح جرم کی پاداش میں، وہ صرف حساس باپ ہی نہ تھے اللہ کے نبی بھی تھے، جس انداز میں انہوں نے تربیت کی تھی اور جس طرح کا بچپن ان کے بیٹے نے گزارا تھا، اس کی بناء پر یہ تصور کرنا بھی ان کے لیے محال تھا کہ بنیامین چوری کرے گا اور وہ بھی دیارِ غیر میں جا کر! اس لیے سنتے ہی فرما دیا، نہیں! بنیامین ایسا نہیں کر سکتا، یہ ایک کہانی ہے جو بنائی گئی ہے، اور اس میں شک ہی کیا ہے کہ یہ کہانی بنائی گئی تھی، یہ الگ بات ہے کہ ان بھائیوں

نے نہیں بنائی تھی جو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے چہرے لٹکا کے بیٹھے تھے بلکہ ان کے بھائی یوسف نے بنائی تھی لیکن اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے بنائی تھی، یوسف کوئی غیر نہ تھے انہی میں سے تھے اگر چہ انہیں خبر نہ تھی، اس لیے یہ اشکال نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ کے نبی نے بغیر کسی ثبوت کے ان پر کیسے الزام لگا دیا، ویسے بھی جو بات اجتہاد سے کی جائے اس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے{۱۴۵} اگر چہ اجتہاد کرنے والا اللہ کا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو، یہ الگ چیز ہے کہ پیغمبر کو اجتہادی خطا پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا اور اللہ کی طرف سے تنبیہ کر کے اس سے ہٹا دیا جاتا ہے۔

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ﴾ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اس فقرے کو ہم جملہ بھی بنا سکتے ہیں اور جملے کا ایک حصہ بھی، اگر مکمل جملہ بنائیں تو معنیٰ یہ ہوگا کہ صبر کرنا ہی میرے لیے بہتر{۱۴۶} ہے اور اگر اسے جملے کا ایک حصہ بنائیں تو معنیٰ یہ ہوگا کہ صبرِ جمیل میرے لیے بہتر ہے۔{۱۴۷}

''صبرِ جمیل'' اس صبر کو کہا جاتا ہے جس میں شکوہ شکایت اور جزع فزع نہ ہو{۱۴۸} دل اللہ کی تقدیر اور فیصلے پر راضی ہو اور یہ یقین ہو کہ اس میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہوگی۔

﴿عَسَى اللّٰهُ﴾ ایک طرف جدائی پر صبر ہے تو دوسری طرف اللہ کی طرف سے امید بھی ہے کہ وہ بچھڑے ہوؤں سے ملا دے گا، اللہ کے پیغمبر نے بتا دیا کہ صبر کا مطلب حالات سے مایوسی نہیں، صبر اور امید دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

{۱۴۵} حدیث سے مجتہد کا مخطی ومصیب ہونا ثابت ہے......(دیکھیے ابن ماجہ، کتاب الاحکام/۱٦۷)

{۱۴۶} فشأنی صبرجمیل (قرطبی ۹/۲۰۹)

{۱۴۷} فصبرجمیل أولی بی (حوالہ مذکورہ)

{۱۴۸} "فصبرجمیل" ای بلاجزع (تفسیر القاسمی ۹/۲٦٦)...... صبرجمیل لاجزع فیه ولاشکایة لأحد (المراغی ۱۳/۲۷)

﴿جَمِيْعًا﴾ دل میں تمنا صرف یوسف اور بنیامین کی ملاقات کی نہیں تیسرے بیٹے روبیل کی بھی ہے جو حکمِ الٰہی کے انتظار میں مصر میں رہ پڑا ہے۔

﴿اِنَّهٗ هُوَالْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ میرا اللہ علیم ہے، وہ جانتا ہے میرے بیٹے کہاں اور کس حال میں ہیں اور ان کی جدائی کے غم میں میرے دل پر کیا گزر رہی ہے؟ علیم کے ساتھ وہ حکیم بھی ہے، اس کی طرف سے آنے والی خوشی اور غمی، صحت اور بیماری، وصل اور فراق غرضیکہ ہر فیصلے میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔

﴿۸۴﴾...... نئے زخم نے پرانا زخم ہرا کر دیا، بنیامین کی گرفتاری کی خبر نے یوسف کی برسوں پہلے گمشدگی کا سانحہ یاد کرادیا جسے آپ بھولے ہی کہاں تھے، یہ انسانی فطرت ہے کہ نئی چوٹ سے پرانی چوٹ کی ٹیس زیادہ محسوس ہوتی ہے، بنیامین کی زندگی اور خیریت کی تو پھر بھی اطلاع تھی، یوسف کے بارے میں تو کوئی خبر ہی نہ تھی، ایک دم یوسف بھی یاد آ گئے اور بیٹوں کی غفلت کیشی یا زیادتی بھی، ان سے منہ پھیر کر دوسری جانب کر لیا اور ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ کہہ اٹھے "ہائے یوسف" تڑپا دیا تیری جدائی نے۔

﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ﴾ کثرتِ گریہ سے آنکھیں سفید ہو گئی تھیں اور بینائی جاتی رہی تھی۔

﴿فَهُوَ كَظِيْمٌ﴾ دل ہی دل میں کڑھتے اور گھٹتے رہتے تھے، زبان پر نہ شکوہ نہ شکایت، نہ ماتم نہ سینہ کوبی، اپنوں سے جدائی اور ان کی وفات پر حزن والم اور اشک فشانی کسی طرح بھی مقامِ نبوت وولایت کے منافی نہیں{۱۴۹} کیونکہ یہ غیر اختیاری اور فطری چیز ہے، اللہ کے نیک بندے فطری اور بشری تقاضوں سے مبرّا نہیں ہوتے، سیدالانبیاء ﷺ سے زیادہ نیک کون ہوگا، آپ کے نواسے نے آپ کی گود میں

{۱۴۹} فان قلت كيف جازلنبی الله...... قلت: الانسان مجبول علىٰ ان لايملك نفسه عندالشدائد من الحزن (کشاف ۴۶۹/۲)

آخری ہچکی لی تو آپ رو پڑے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ ہمیں تو ایسے مواقع پر آہ و بکا سے منع فرماتے ہیں مگر خود آپ رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں مطلقاً رونے سے منع نہیں کرتا بلکہ دو احمق آوازوں سے منع کرتا ہوں یعنی خوشی کے وقت گانے بجانے کی آواز سے اور غمی کے وقت ماتم کی آواز سے۔{۱۵۰}

اگر مصائب و آلام کے موقع پر اظہارِ رنج مذموم ہوتا تو قرآن حضرت یعقوب علیہ السلام کے رونے دھونے کا ذکر نہ کرتا۔

﴿۸۵﴾......لڑکوں نے تعجب کے ساتھ کہا، جس میں محبت اور شفقت کا معنی بھی پایا جاتا تھا{۱۵۱} کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ یوسف کو یاد کرتے کرتے آپ ادھ موے ہو جائیں گے{۱۵۲} بلکہ یہ بھی خطرہ ہے کہ جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

﴿۸۶﴾......والدِ محترم نے جواب دیا کہ میں اپنے دکھ درد کا اظہار مخلوق کے سامنے نہیں بلکہ خالق کے سامنے کرتا ہوں، حوادث اور پریشانیاں بندگانِ رب کو رب کے قریب کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں، دور کرنے کا نہیں، اللہ سے تعلق کو مضبوط کرتی ہیں، کمزور نہیں، مصیبتوں میں وہ اللہ کو اور زیادہ یاد کرتے ہیں۔

﴿وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور ابتلاؤں کی حکمتوں کا جتنا علم مجھے ہے، تمہیں نہیں ہے۔

﴿۸۷﴾......حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے کا خواب یاد تھا اور اس کے سچا ہونے کا یقین بھی تھا، اس لیے بیٹوں کو حکم دیا کہ یوسف کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔

{۱۵۰} (مستدرک حاکم ۴/۴۰...... طبقات ابن سعد ۱/۱۱۰)
{۱۵۱} علی سبیل الرّفق به والشفقة علیه (تفسیر القاسمی ۹/۲۶۸)
{۱۵۲} أي حتّى تكون مريضًا مشرفا على الهلاك (صفوة التفاسير ۲/۶۴)

﴿اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ﴾ قرآن کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جزئی واقعات کے ضمن میں اصولی حقیقتوں کو بیان کر دیتا ہے، یہاں بھی ایک اصولی حقیقت بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ "مومن کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔"

حکمت و ہدایت:

۱.....حسد ایسی بیماری ہے جو انسان کو لگ جائے تو سالہا سال بعد بھی اس کی جان نہیں چھوڑتی۔(۷۷)

۲.....انتہائی بردبار انسان بھی بعض اوقات ایسی بات کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو عام حالات میں کہنا پسند نہیں کرتا۔(۷۷)

۳.....جب کوئی مصیبت سر پر آن پڑے تو رحم طلبی جائز ہے۔(۷۸)

۴.....اسلامی شریعت میں بھی بدنی سزا میں مبادلہ جائز نہیں اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے مجرم کے بدلے اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کرے تو قاضی کے لیے جائز نہیں کہ اسے قبول کرے۔{۱۵۳}(۷۹)

۵.....اہم معاملات میں مشورہ کے لیے سرگوشی جائز ہے۔(۸۰)

۶.....انسان کو اپنا قول وقرار یاد رکھنا چاہیے اور اس کی پابندی کرنی چاہیے۔(۸۰)

۷.....شہادت کا مدار اس علم پر ہے جو حواسِ ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے، خواہ علم کسی بھی طریقے سے حاصل ہو، آنکھوں سے دیکھ کر یا کانوں سے سن کر، چنانچہ بعض معاملات میں نابینا، گونگے اور بہرے کی شہادت بھی جائز ہے، شہادت کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ صاحبِ معاملہ نے اسے گواہ بنایا ہو بلکہ جسے کسی بھی ذریعے سے علم حاصل ہو جائے اس کے لیے گواہی دینا جائز ہے، قرآنِ کریم میں ہے:

{۱۵۳} (تفسیر ماجدی ۲/۶۳۶)

﴿اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ {۱۵۴} ''ہاں البتہ جن لوگوں نے حق بات کی گواہی دی ہو اور انہیں اس کا علم بھی ہو۔''

صحیح مسلم میں زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمہیں بہترین گواہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ سب سے بہترین گواہ وہ ہے جو طلب کیے جانے کے بغیر گواہی دے۔'' {۱۵۵}

ایک دوسری حدیث میں اس قسم کے گواہوں کی مذمت کی گئی ہے {۱۵۶} دونوں میں فرق یہ ہے کہ مذمّت ان گواہوں کی ہے جو جھوٹی گواہی کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں جبکہ تعریف ان گواہوں کی ہے جو کسی کا حق ڈوبنے سے بچانے کے لیے سچی گواہی دیتے ہیں۔(۸۱)

۸......اگر بے گناہ شخص کو کسی الزام کا سامنا ہو تو اسے چاہیے کہ اشتباہ کو دور کرتے ہوئے اپنی صفائی پیش کر دے، جیسا کہ برادرانِ یوسف نے اپنے والد سے درخواست کی کہ آپ بنیامین کا واقعہ اہلِ مصر سے بھی پوچھ سکتے ہیں اور ہمارے قافلے کے شرکاء سے بھی۔(۸۲)

۹......ناموافق حالات میں مسلمان کو صبرِ جمیل کرنا چاہیے یعنی ایسا صبر جس میں مخلوق کے سامنے جزع فزع اور شکوہ وشکایت نہ ہو، فریاد ہو تو اللہ سے اور رونا دھونا ہو تو اسی کے سامنے۔

۱۰......یوسف کی گمشدگی ہو یا بنیامین کی گرفتاری، دونوں مواقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام

{۱۵۴} (الزخرف ۴۳/۸۶)
{۱۵۵} (مسلم ۲، کتاب الاقضیۃ/۷۷)
{۱۵۶} ثم يجيئ أقوام تسبق شهادة أحدهم يمينه ويمينه شهادته (بخاری ۱، کتاب الشهادات/۳۶۲)

نے فرمایا"فصبر جمیل" البتہ پہلے حادثہ کے موقع پر فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ "اور اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے اس پر جو کچھ تم بیان کرتے ہو۔"

اور دوسرے حادثہ کی اطلاع سن کر فرمایا:

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا﴾ "امید ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے ملوادے گا۔"

ایسا لگتا ہے کہ پہلے واقعہ میں آپ کو اللہ کی طرف سے بتادیا گیا تھا کہ شب فراق طویل ہوگی اس لیے آپ اللہ کی مدد کے طلبگار ہوئے اور دوسرے واقعہ میں ایسے اشارات ملے ہوں گے جن سے آپ نے جان لیا کہ وصال کی گھڑی اب زیادہ دور نہیں۔(۸۳)

۱۱......حوادث و آلام میں رنج وغم کا ہونا اور اشک فشانی، نہ صبر کے منافی ہے اور نہ ولایت و نبوت کے۔(۸۴) ہمارے آقا ﷺ نے بیٹے کی وفات پر فرمایا تھا:

﴿تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول ما یسخط الرب﴾{۱۵۷} "آنکھیں اشک فشاں ہیں، دل غمگین ہے مگر ہم کوئی ایسی بات نہیں کریں گے جو رب کو ناراض کردے۔"

اللہ کو ناراض کرنے والی بات کونسی ہے؟ قضا وقدر پر اعتراض، چہرہ پیٹنا، گریباں پھاڑنا اور جاہلیت والی آوازیں نکالنا۔

۱۲......محبتِ طبعی، محبتِ حق کے منافی نہیں، اس کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے اور کاملین میں محبتِ طبعی کا غلبہ انہیں رضائے حق سے غافل نہیں کرتا بلکہ اس تعلق کو اور مضبوط کردیتا ہے۔{۱۵۸}

۱۳......مصیبت اور پریشانی میں بعض لوگ خالق کے سامنے شکایت کرتے ہیں اور

{۱۵۷} (ابن ماجہ، ابواب ماجاء فی الجنائز/۱۱۴)
{۱۵۸} (بیان القرآن، حصہ اوّل، جلد۵/۹۲)

بعض خلق کے سامنے، خالق کے سامنے شکایت محمود ہے اور مخلوق کے سامنے شکایت مذموم!

۱۴......ناامیدی کبیرہ گناہ ہے، مومن کسی حال میں اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا۔(۸۷)

افشائے راز

﴿۸۸......۹۳﴾

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ

پھر جب داخل ہوئے اس کے پاس بولے اے عزیز! پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور لائے ہیں

مُزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿٨٨﴾ قَالَ

ہم پونجی ناقص سو پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو O کہا

هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾ قَالُوا أَإِنَّكَ لَأَنْتَ

کچھ تم کو خبر ہے کہ کیا کیا تم نے یوسف سے اور اس کے بھائی سے جب تم کو سمجھ نہ تھی؟O بولے کیا سچ، تو ہی ہے یوسف؟ یوسف نے کہا

يُوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ

میں یوسف ہوں اور یہ ہے میرا بھائی اللہ نے احسان کیا ہم پر البتہ جو کوئی ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے

فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا

تو اللہ ضائع نہیں کرتا حق نیکی والوں کا O بولے قسم اللہ کی، البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے

وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ

اور ہم تھے چوکنے والے O کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج، بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے

الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾ اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا

مہربان O لے جاؤ یہ کرتہ میرا اور ڈال اس کو منہ پر میرے باپ کے کہ چلا آئے آنکھوں سے دیکھتا ہوا،

وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾

اور لے آؤ میرے پاس گھر اپنا سارا O

تسہیل: جب وہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو کہنے لگے، اے عزیز! قحط کی وجہ سے ہم اور ہمارے گھر والے تکلیف میں ہیں، ناداری کی وجہ سے معقول رقم کا انتظام بھی ہم نہیں کر سکے اور نکمّی پونجی لے کر آئے ہیں لیکن آپ غلّہ پورا دیجیے گا اور ہمارے معاملے میں چشم پوشی سے کام لیجیے گا، بے شک اللہ چشم پوشی کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے O عزیزِ مصر نے کہا، تمہیں کچھ یاد بھی ہے کہ تم نے نادانی میں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ O وہ بول اٹھے، ارے! کیا سچ مچ تم یوسف ہی ہو؟ فرمایا، ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہم پر اللہ نے بڑا ہی احسان کیا ہے، واقعی جو شخص تقوٰی اور صبر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتا O وہ بولے، اللہ کی قسم! اللہ نے تمہیں ہم پر فضیلت عطا کی ہے اور بے شک ہم ہی غلطی پر تھے O یوسف نے کہا، نہیں! آج میری طرف سے تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے O جاؤ! تم میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے والدِ گرامی کے چہرے پر ڈال دو تا کہ ان کی بینائی لوٹ آئے اور اپنے سارے گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ O

﴿تفسیر﴾

﴿۸۸﴾...... برادرانِ یوسف تیسری بار مصر پہنچ کر عزیزِ مصر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اب کی باران کے لہجے میں رحم طلبی اور عاجزی غالب تھی، اپنے اہل وعیال کی پریشانی، ناداری اور غربت کا اس انداز میں ذکر کیا کہ کوئی دوسرا بھی ہوتا تو اس کا دل پسیج جاتا جبکہ ان کی مخاطب وہ شخصیت تھی جو اللہ کے نبی بھی تھے اور ان کے حقیقی بھائی بھی، آپ متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

﴿۸۹﴾......اس تأثر نے انہیں اپنی شخصیت پر پڑا ہوا پردہ اٹھانے پر مجبور کر دیا، مگر

اس کے لیے آپ نے ایسا باوقار طریقہ اختیار کیا کہ بھائیوں کی تذلیل نہ ہو، پہلے ان سے ان زیادتیوں کے بارے میں سوال کیا جو ان سے ہو چکی تھیں پھر خود ہی ان کی طرف سے ایک قسم کا عذر بھی ذکر کر دیا یعنی یہ کہ تم سے جو کچھ ہوا وہ نادانی اور جہالت میں ہوا۔

﴿۹۰﴾......عزیزِ مصر کی صورت میں تخت آرا ہونے والے یوسف کی بھولی بسری دلکش صورت، اپنے ساتھ غیر معمولی برتاؤ اور بنیامین کی طرف واضح جھکاؤ دیکھ کر یہ خیال...... اگرچہ کمزور درجہ ہی میں سہی...... ان کے دل میں آیا تو ہوگا کہ کہیں یہ یوسف ہی تو نہیں؟ مگر کنعان کے کنویں اور مصر کے تاج و تخت کے درمیان وسیع و عریض خلیج کا تصور کر کے وہ اس خیال کو جھٹک دیتے ہوں گے لیکن اب تو کوئی ہلکا سا خفاء بھی باقی نہیں رہ گیا تھا چنانچہ وہ بے ساختہ بول پڑے، ارے! کیا سچ مچ تم یوسف ہی ہو؟

﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ﴾ اللہ اللہ! کیا انوکھا اور منفرد اسلوب ہے قصہ بیان کرنے کا، ایسا نہیں کہ پورا قصہ بیان کرنے کے بعد اختتام پر چند عبرتیں اور نصیحتیں بیان کر دی گئی ہوں بلکہ موقع بہ موقع واقعہ کی جزئیات کے ساتھ ساتھ اصول اور کلیات بھی بیان ہو رہے ہیں، اللہ کا نبی فرما رہا ہے کہ احسانِ باری تعالیٰ کا یہ معاملہ صرف میرے ساتھ خاص نہیں بلکہ جو لوگ بھی صبر اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان سب کو اجر و ثواب سے ضرور نوازا جاتا ہے۔

﴿۹۱﴾......انکشافِ حقیقت کے بعد بھائیوں نے نمعلوم کیا کچھ کہا ہوگا مگر قرآن نے ان کی تقریر کو جن مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے، ان الفاظ میں اعترافِ جرم، ندامت، عاجزی اور معذرت سبھی کچھ ہے اور وہ بھی ان بھائیوں کی زبان سے جو عمر میں بڑے ہیں اور ماضی میں چھوٹے بھائی کو حسد، مار پٹائی اور نفرت کا نشانہ بناتے رہے ہیں......

عجب منظر ہوگا جب ان کے سر ندامت سے جھک گئے ہوں گے اور ان کی زبان پر معافی کے بول ہوں گے۔

﴿۹۲﴾...... کیسے ممکن تھا کہ بھائی معافی مانگتے اور اللہ کا نبی انہیں معاف نہ کر دیتا، یہ آپ کے اخلاقِ کریمانہ کے خلاف تھا، آپ نے اس طرح معاف کیا کہ نہ طعنہ دیا اور نہ ہی ان کے جرائم گنوائے۔

یہی وہ آیتِ کریمہ ہے جو ہمارے آقا ﷺ نے اس وقت پڑھی تھی جب آپ مکّہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے اور قریش آپ کے سامنے حرم میں صف بستہ کھڑے اپنی قسمت کا انتظار کر رہے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

﴿لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء﴾{۱۵۹} ''آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ! تم سب آزاد ہو۔''

﴿۹۳﴾...... حضرت یعقوب علیہ السلام کی دل کی آنکھیں روشن تر تھیں البتہ ظاہری بصارت کثرتِ گریہ سے متاثر ہوگئی تھی، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص یہ کہتے ہوئے دی کہ والدِ محترم کے چہرے پر ڈال دینا، اس سے ان کی بینائی واپس آجائے گی، شدّتِ مسرّت سے بینائی کی واپسی عجیب تو ہے مگر ناممکن نہیں، غم ہو یا خوشی، ان کی شدّت کبھی کبھی عجائب کو جنم دیتی ہے، کوئی ظاہری سبب نہ بھی ہو تو بھی اللہ کی قدرت میں کونسی چیز محال ہے؟ اس میں شک ہی کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو کچھ کیا اور فرمایا، وہ اللہ کے حکم ہی سے کیا اور فرمایا ہوگا۔

حکمت وہدایت:

۱...... ویسے تو حتی الامکان نہ تو انسانوں سے سوال کرنا چاہیے اور نہ ہی اپنی مصیبت اور

{۱۵۹} (بحوالہ الرحیق المختوم/۳۴۸، صفی الرحمن مبارکپوری، دارالبیان العربی)

پریشانی کا اظہار کرنا چاہیے لیکن مجبوری کی بناء پر ایسا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے{۱۶۰} خصوصاً جبکہ جان یا عزت و آبرو خطرے میں ہو۔(۸۸)

۲......صدقہ کے طور پر اپنے حق سے زائد طلب کرنا جائز ہے، باقی رہا یہ سوال کہ انبیاء کی اولاد کے لیے صدقہ کیسے حلال ہو گیا؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں صدقہ رعایت کے معنیٰ میں ہے{۱۶۱} کیونکہ مفت کا سوال تو انہوں نے کیا ہی نہیں تھا، وہ پونجی لے کر آئے تھے مگر چونکہ وہ معیار اور مقدار میں کم تر تھی، اس لیے انہوں نے عزیزِ مصر سے چشم پوشی اور رعایت کی درخواست کی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل کے علاوہ کسی دوسرے نبی پر صدقہ حرام نہیں تھا، ابنِ جریر نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہ سے سوال کیا گیا کہ نبی ﷺ سے پہلے بھی کسی نبی پر صدقہ حرام کیا گیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا، کیا تم نے یہ ارشادِ باری تعالیٰ نہیں سُنا؟

﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ﴾{۱۶۲}

"ہمیں پورا پورا ناپ کر دو اور ہمارے اوپر صدقہ کرو، بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔"(۸۸)

۳......علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، دعا میں یہ کہنا جائز نہیں "اللّٰھم تصدّق علیّ" کیونکہ صدقہ کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے جو اجر و ثواب کی امید رکھتا ہو جبکہ اللہ تعالیٰ تو ثواب دیتا ہے کسی سے حصولِ ثواب کی امید نہیں رکھتا۔{۱۶۳}(۸۸)

{۱۶۰} (تفسیر منیر ۱۳/۵۸)
{۱۶۱} وقد جاء ت الصدقة بمعنى التفضّل......(روح المعانی ۸، ۱۳/۶۷)
{۱۶۲} (ابنِ جریر بحوالہ منیر ۱۳/۵۸)
{۱۶۳} (قرطبی ۹/۲۱۷)

مگر علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے کیونکہ ایک حدیث میں خود نبی کریم ﷺ نے صدقہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿صدقة تصدّق الله بها عليكم فأقبلوا صدقته﴾{۱۶۴} ''سفر میں قصر کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر ایک صدقہ ہے پس تم اس کے صدقہ کو قبول کرلو۔''

جہاں صدقہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی وہاں یہ رعایت، نرمی اور چشم پوشی کے معنی میں ہوگا۔{۱۶۵}

۴......صدقہ ایسا عمل ہے جس کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی، حتّٰی کہ کفار کو بھی یکسر محروم نہیں رکھا جاتا، یہ فرق ضرور ہے کہ دنیا کا بدلہ ردِّ بلاء اور دفعِ مصائب کی صورت میں ہر کسی کو ملتا ہے مگر جنت کی صورت میں آخرت کا بدلہ صرف اہلِ ایمان کو ملے گا۔(۸۸)

۵......ہر معصیت جہالت سے سرزد ہوتی ہے{۱۶۶} وہ عالم جو علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرے، اسے بھی جاہل ہی کہا جائے گا۔{۱۶۷} (۸۹) عالم بھی، جاہل بھی، حیرت ہے حیرت!

۶......تقوٰی اور صبر یعنی گناہوں سے بچنا اور آزمائشوں میں ثابت قدمی، انسان کو مشکلات سے نکال دیتی ہے۔(۹۰)

۷......حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے صبر وتقوٰی کا ذکر بطور فخر نہیں بلکہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کیا تھا کہ اوّل اس نے ہمیں صبر وتقوٰی کی توفیق عطا فرمائی پھر اس کے ذریعہ تمام نعمتیں عطا فرمائیں۔

{۱۶۴} (مسلم ۱، کتاب صلوٰۃ المسافرین/۲۴۱)
{۱۶۵} (روح المعانی ۸، ۱۳/۲۷)
{۱۶۶} قال بعض السلف: كل من عصى الله فهو جاهل (ابن كثير ۲/۲۳۵)
{۱۶۷} لما لم يفعلوا ما تقتضيه العلم ولا يقدم عليه الا جاهل سمّاهم "جاهلين" (كشاف ۲/۴۷۲)

۸......انبیائے کرام علیہم السلام اخلاقِ کریمانہ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں، ستم ڈھانے والوں کو قدرت کے باوجود معاف کر دیتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے اعترافِ جرم اور معذرت طلبی کے جواب میں "لاتثریب" فرمایا، عربی زبان میں "تثریب" کا معنی ہے اس پتلی باریک چربی کو زائل کر دینا جو انتڑیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔{۱۶۸}

اردو میں "لاتثریب" کا معنی کیا جاتا ہے "تم پر کوئی الزام نہیں" مگر یہ ترجمہ ان الفاظ کی پوری حقیقت نہیں کھولتا، اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ نہ تمہیں ملامت کی جائے گی نہ تمہاری زیادتیاں یاد کرا کر تمہیں شرمندہ کروں گا، نہ دل میں تمہارے لیے بغض اور حسد رکھوں گا اور نہ ہی تم سے انتقام لوں گا۔

ہم یقیناً اختلاف کر سکتے ہیں حضرت عطاء خراسانی رحمہ اللہ سے مگر عجیب نکتہ انہوں نے اس مقام پر بیان کیا ہے، فرماتے ہیں بوڑھوں سے معذرت طلبی کے مقابلہ میں نوجوانوں سے معذرت طلب کرنا آسان ہے، حضرت یوسف علیہ السلام سے بھائیوں نے معافی مانگی تو انہوں نے فوراً کہہ دیا: "لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ" لیکن جب انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے معافی مانگی تو انہوں نے فرمایا: "سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي" (میں اپنے رب سے تمہارے لیے مغفرت طلب کروں گا۔){۱۶۹}

۹......بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی شدید مسرّت کی وجہ سے لوٹ آئی تھی، خوشی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ روح توانا ہو جاتی ہے بلکہ ظاہری اعضاء میں بھی طاقت آجاتی ہے، طب اس نظریے کی

{۱۶۸} ولا یعرف من لفظه الا قولهم الثرب وهو شحمة رقيقة (المفردات/۷۹)
{۱۶۹} (التفسیر المنیر ۶۱/۱۲)

تائید کرتی ہے۔ جبکہ دوسرے حضرات اسے معجزہ قرار دیتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اصل میں یہ وہ قمیص تھی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت پہنائی تھی جب انہیں آتش نمرود میں ڈالا گیا تھا، پھر یہ قمیص حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ملی، ان سے حضرت یعقوب اور ان سے حضرت یوسف علیہ السلام تک پہنچی، چونکہ اسے جنت سے لایا گیا تھا، اس لیے اس کے اندر یہ خصوصیت تھی کہ اُسے جس بیمار پر ڈالا جاتا تھا وہ تندرست ہو جاتا تھا۔{۱۷۰}

۱۰......خاندانی نظام اور خاندان سے محبت، انسانی فطرت ہی نہیں تعلیماتِ نبوت کے بھی مطابق ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف اپنے والدین ہی کو نہیں پورے خاندان کو اپنے پاس لانے کا حکم دیا جو کہ خاصا وسیع ہو چکا تھا۔

بائبل کے بیان کے مطابق بیٹے، بہویں، پوتے اور پوتیاں سب ملا کر ستر نفوس تھے، توریت میں ہے:

''اور وہ سب ستر نفوس تھے......اور یوسف اپنی گاڑی پر اپنے باپ اسرائیل کے استقبال کے لیے جوشن کی سرزمین کو گیا۔''{۱۷۱}

یوسف کی خوشبو

﴿۹۴......۹۸﴾

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ ﴿۹۴﴾

اور جب جدا جدا ہوا قافلہ کہا ان کے باپ نے میں پاتا ہوں بو یوسف کی اگر نہ کہو مجھ کو بوڑھا بہک گیا O۔

{۱۷۰} (قرطبی ۹/۲۲۰)
{۱۷۱} (تکوین باب ۴۶: ۲۷۔۲۹/ص ۵۸)

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى

لوگ بولے قسم اللہ کی تُو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے O پھر جب پہنچا خوشخبری والا ڈالا اس نے

وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

وہ کرتہ اس کے منہ پر پھر لوٹ کر ہو گیا دیکھنے والا، بولا میں نے نہ کہا تھا تم کو کہ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے ؟O

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ

بولے اے باپ! بخشوا ہمارے گناہوں کو بے شک ہم تھے چوکنے والے O کہا دم لو بخشواؤں گا تم کو

رَبِّيْ ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

اپنے رب سے وہی ہے بخشنے والا مہربان O

تسہیل: اور جب قافلہ مصر سے چلا تو ان کے والد نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھے خبطی قرار نہ دو تو میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے O حاضرینِ مجلس نے کہا، اللہ کی قسم! آپ اب تک اپنے پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں O جب خوشخبری دینے والا آ گیا تو اس نے آتے ہی وہ کرتا یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا جس سے ان کی بینائی بحال ہو گئی تو انہوں نے فرمایا، کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ؟O اس وقت بیٹوں نے درخواست کی کہ اے ہمارے والد! اللہ سے ہمارے گناہوں کی مغفرت کی دعا کیجیے، بلاشبہ ہم خطاوار تھے O یعقوب نے کہا، عنقریب میں اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش کی دعا مانگوں گا، بے شک وہ غفور رحیم ہے O

﴿تفسیر﴾

﴿۹۴﴾...... جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے گمشدہ لختِ جگر کی خوشبو محسوس ہونے لگی، یہ احساس مشیتِ الٰہیہ کا نتیجہ تھا، جب آپ کنعان کے کنویں میں تھے، اللہ کو ملاقات منظور نہ تھی اس لیے بہت قریب ہونے کے باوجود

والد کو پتہ نہ چل سکا لیکن جب اللہ نے اپنے بندے کو اچھی طرح آزمالیا اور باپ بیٹے کی ملاقات کا فیصلہ فرمادیا تو سینکڑوں میل کی مسافت سے پیراہنِ یوسفی کی خوشبو محسوس ہوگئی، ظاہری طور پر اس میں آپ کی ذکاوتِ حس کا بھی دخل تھا، شدّتِ توجہ میں عام آدمی کے حواس کی قوت میں بھی بہت اضافہ ہوجاتا ہے جبکہ حضراتِ انبیاء کے حواس عام انسانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ قوی ہوتے ہیں، دونوں قسم کی صورتحال کے لیے فارسی کا ایک ایک شعر ملاحظہ فرمائیے ۔

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم ...... گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

کبھی تو میں بلندیوں پر ہوتا ہوں اور دیکھ لیتا ہوں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت پر پڑی ہوئی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی۔

دوسرا شعر کچھ یوں ہے ۔

فلسفی کہ او منکرِ جنانہ است ......از حواسِ انبیاء بیگانہ است

وہ فلسفی جو کہ جنّت کا منکر ہے، انبیاء کے حواس سے بیگانہ ہے۔

﴿۹۵﴾...... حاضرینِ مجلس نے کہا، اللہ کی قسم! یوسف کے زندہ ہونے کے بارے میں آپ کا وہم کبھی ختم نہیں ہوگا جبکہ وہ ختم ہو چکا اور اس سے ملاقات ناممکنات میں سے ہے۔

﴿۹۶﴾...... جب وہ خوشخبری دینے والا آ پہنچا...... کہا گیا کہ اس سے مراد یہوذا ابن یعقوب ہے{۱۷۲} اسی کو سب سے زیادہ اس بات کا احساس تھا کہ ہم نے والد کو ناحق پریشان کیا ہے اور وہ اپنے کیے کی تلافی کرنا چاہتا تھا۔

﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ﴾ فرمایا: ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ؟'' رحمتِ باری تعالیٰ پر اٹل یقین اور مختلف قرائن کی

{۱۷۲} قال جمهور المفسرين، البشير هو يهوذا (كبير ۱۸،۶/ ۵۰۸)

بناء پر آپ یوسف سے ملاقات کی جو امید لگائے بیٹھے تھے، اس جملے میں اس امید کے بر آنے پر اظہارِ مسرّت بھی ہے اور بیٹوں کو یہ تعلیم بھی کہ صرف ظاہری حالات پر نظر نہ رکھا کرو، ان ظاہری حالات میں جو مخفی امکانات ہیں، ان پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے۔

توریت میں یہ جزء یوں مذکور ہے:

''اور یوسف اپنی گاڑی پر اپنے باپ اسرائیل کے استقبال کے لیے جوشن کی سرزمین کو گیا...... تب اسرائیل نے یوسف سے کہا، اب موت کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ میں نے تیرا منہ دیکھا۔'' {۱۷۳}

﴿۹۷﴾...... حضرت یعقوب علیہ السلام کی بصارت لوٹ آئی، قافلہ بھی مصر سے کنعان پہنچ گیا۔ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی، برادرانِ یوسف سے غلطیاں تو ہوئیں مگر وہ بہرحال خاندانِ نبوت سے تعلّق رکھتے تھے، اللہ کے برگزیدہ بندے کے سائے میں بچپن بھی گزارا تھا اور جوانی بھی، اس کے پاکیزہ اثرات سے کیسے محروم رہ سکتے تھے؟ پوری طرح ادب واحترام کا لحاظ کرتے ہوئے عرض کیا، ہم اپنی حرکتوں پر نادم ہیں، خود بھی معاف کر دیجیے اور اللہ تعالیٰ سے بھی ہمارے لیے مغفرت طلب کیجیے۔

﴿۹۸﴾...... حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھائے بلکہ فرمایا کہ کسی مناسب موقع اور مقام پر تمہارے لیے دعا کروں گا، بعض روایات میں ہے کہ آپ کو وقتِ تہجد کا انتظار تھا کیونکہ وہ سب سے افضل وقت ہے اس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ {۱۷۴}

{۱۷۳} (تکوین باب ۴۵: ۲۹-۳۰/ص ۵۷)
{۱۷۴} قال ابن عباس رضی اللہ عنہما والأکثرون: أراد ان یستغفرلهم فی وقت السحر لان هذا الوقت أوفق الأوقات لرجاء الإجابة (کبیر ۱۸،۶/ ۵۰۸-۵۰۹)

حکمت وہدایت:

۱......انبیائے کرام علیہم السلام کے ہاتھوں مختلف معجزات ظاہر ہوتے رہتے تھے، سینکڑوں میل کی مسافت سے یوسف کی خوشبو محسوس کر لینے اور بینائی کے واپس آجانے کی اگرچہ ظاہری توجیہ بھی کی گئی ہے مگر زیادہ تر علماء نے اسے معجزہ قرار دیا ہے، معجزہ اگرچہ نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے مگر یہ اللہ کا فعل ہوتا ہے۔

۲......کہا جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بشارت سنانے والے کو انعام دینا چاہتے تھے مگر آپ کے پاس کچھ تھا ہی نہیں تو آپ نے یہ دعا دینے پر اکتفا کیا:

﴿هون الله عليك سكرات الموت﴾{۱۷۵} "اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر موت کی سختی آسان کردے۔"

لیکن یہ حقیقت میں بہت بڑا انعام تھا۔ ایمان پر خاتمہ اور جان کنی میں آسانی سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوسکتی ہے؟

اس واقعہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ بشارت دینے والے کو انعام دینا چاہیے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب قبولِ توبہ کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے یہ عظیم خوشخبری سنانے والے کو اپنے کپڑے اتار کر دے دیے تھے{۱۷۶} کیونکہ ان کے پاس کچھ اور تھا ہی نہیں۔

عام حالات میں بھی کسی نعمت کے عطا ہونے پر بچوں میں شیرینی تقسیم کر کے یا احباب اور اقارب کی دعوت کر کے اظہارِ مسرّت جائز ہے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب سورہ بقرہ حفظ کر لی تو انہوں نے اس خوشی میں اونٹ ذبح کیا تھا......اگرچہ تفصیل کا موقع نہیں مگر یہ وضاحت کر دینا مناسب

{۱۷۵} (قرطبی ۲۲۲/۹)

{۱۷۶} حضرت کعب فرماتے ہیں: "فلمّا جاء نی الذی سمعت صوته یبشرّنی نزعت له ثوبیّ فکسوتهما ببشارته (مسلم ۲، کتاب التوبة/۳۶۲)

معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین خالی الفاظ حفظ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ تمام مضامین اور مطالب کے ساتھ قرآن یاد کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو کچھ پڑھتے تھے اس پر عمل بھی کرتے تھے۔

معافی تلافی کیسے؟

۳......اگر ہمارے ہاتھ، زبان، عمل یا رویّے سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچی ہو یا اس کا کوئی حق ہمارے ذمہ ہو تو ہم پر لازم ہے کہ اس کا حق ادا کر دیں یا اس سے صراحۃً معاف کروائیں، بعض لوگوں نے کسی کا مالی حق دبا رکھا ہوتا ہے، اگر خوفِ خدا غالب آئے تو یوں کہہ دیتے ہیں کہ "بھائی اگر ہم سے کوئی زیادتی ہوگئی ہو تو معاف کر دینا" اس صورت میں اگر صاحبِ حق نے معاف کر بھی دیا تو معاف نہیں ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

﴿قال رسول الله ﷺ: من كانت له مظلمة لاخيه من عرضه أوشى فليتحلّله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولادرهم، إن كان له عملٌ صالح أخذ منه بقدر مظلمته وان لم تكن له حسنات أخذ من سيّات صاحبه فحمل عليه﴾{۱۷۷}

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے اپنے کسی بھائی کی عزت کو داغدار کر کے یا کسی دوسرے طریقے سے اس پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیے کہ صاحبِ حق کا حق ادا کر دے یا معاف کروالے، قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جب اس کے پاس نہ دینار ہوگا نہ درہم، اگر اس کے پاس اعمالِ صالحہ ہوں گے تو وہ لے کر مظلوم کو دے دیئے جائیں گے اور اگر اعمالِ صالحہ نہ ہوئے تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔"

۴......جب برادرانِ یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام سے معافی مانگی تو انہوں نے

{۱۷۷} (بخاری ۱، کتاب المظالم/ ۳۳۱)

بلاتوقف معاف فرمادیا جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بعد میں تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا، علماء نے اس کے کئی اسباب لکھے ہیں:

پہلا سبب یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی حیثیت مربی کی سی تھی، آپ چاہتے تھے کہ انہیں اچھی طرح اپنی غلطی کا احساس ہوجائے۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ان کی زیادتی بالواسطہ تھی جبکہ یوسف اور بنیامین کے ساتھ بلاواسطہ تھی، اسی لیے اصل میں معاف کرنے کا حق انہیں کو تھا جن پر زیادتی ہوئی تھی۔

تیسرا سبب یہ تھا کہ ان کا گناہ اتنا بڑا تھا کہ محض طلبِ دعا سے معاف نہیں ہوسکتا تھا بلکہ اس کے لیے خود توبہ کرنا ضروری تھا اور ان کے والدِ بزرگوار یہی چاہتے تھے۔

چوتھا سبب یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس مقام پر تھے کہ اگر وہ چاہتے تو بھائیوں سے انتقام لے سکتے تھے، ممکن ہے بھائیوں کو بھی اس کا اندیشہ ہو، اس لیے انہوں نے فوری طور پر معاف کرتے ہوئے انہیں مطمئن کرنا ضروری سمجھا۔{۱۷۸}

۵......اولادِ یعقوب نے دعا کی درخواست کرتے ہوئے اپنے گناہوں کا تو ذکر کیا مگر ''رب'' کا ذکر نہیں کیا، ایسا لگتا ہے کہ ان پر اپنے گناہوں کی فکر اور اللہ کی پکڑ کا احساس غالب تھا جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظر رحمتِ باری تعالیٰ پر تھی، وہ جانتے تھے کہ گناہ کتنے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، سچے دل سے توبہ کی جائے تو معاف ہوجاتے ہیں اس لیے آپ نے ''رب'' کا ذکر تو کیا مگر گناہوں کا ذکر نہیں کیا۔{۱۷۹}

{۱۷۸} (المراغی ۱۳/۴۰-۴۱)
{۱۷۹} (تفسیر القاسمی ۹/۲۷۸)

خواب کی تعبیر

۹۹......۱۰۱

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾

پھر جب داخل ہوئے یوسف کے پاس، جگہ دی اپنے پاس اپنے ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو دل جمعی سے ○

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ

اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اس کے آگے سجدہ میں اور کہا اے باپ! یہ بیان ہے میرے

مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۗ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ

اس پہلے خواب کا اس کو میرے رب نے سچ کر دیا اور اس نے انعام کیا مجھ پر جب مجھ کو نکالا قید خانہ سے اور تم کو لے آیا

بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ

گاؤں سے بعد اس کے کہ جھگڑا ڈال چکا تھا شیطان مجھ میں اور میرے بھائیوں میں، میرا رب تدبیر سے کرتا ہے

لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿١٠٠﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ

جو چاہتا ہے، بے شک وہی ہے خبردار حکمت والا ○ اے رب! تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت اور سکھایا مجھ کو

مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

کچھ پھیرنا باتوں کا، اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠١﴾

موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں ○

تسہیل: پھر جب یوسف کے خاندان کے سارے افراد ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور ان سب سے کہا کہ مصر میں داخل ہو جاؤ، اگر اللہ نے چاہا تو یہاں تمہیں امن حاصل رہے گا○ مصر میں داخل ہونے کے بعد یوسف نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب یوسف کے سامنے سجدے میں گر پڑے، اس موقع پر یوسف نے عرض کیا، اے میرے والدِ گرامی! یہ میرے اس خواب کی تعبیر

ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا، میرے پروردگار نے اسے سچ کر دکھایا، اس وقت بھی اسی نے مجھ پر کرم کیا تھا جب اس نے مجھے جیل سے نکالا اور تم سب کو گاؤں سے اٹھا کر یہاں لے آیا، یہ سب کچھ اس فساد کے بعد ہوا جو شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان ڈال دیا تھا، بے شک میرا رب جو کچھ کرنا چاہتا ہے اسے انجام تک پہنچانے کے لیے لطیف تدبیر کرتا ہے، بلاشبہ وہ علیم اور حکیم ہے O پھر یوسف نے اللہ سے دعا کی، اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت بھی عطا کی اور باتوں کی حقیقت تک پہنچنے کا ملکہ بھی عطا فرمایا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے اسلام کی حالت میں موت دینا اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالیناO

﴿تفسیر﴾

﴿۹۹﴾...... جب حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کا سارا خاندان اس جگہ پر پہنچے جہاں حضرت یوسف علیہ السلام اپنے اعوان وانصار کے ساتھ استقبال کے لیے موجود تھے، تو برسوں کی جدائی کے بعد ملاقات کے عجیب مناظر دیکھنے میں آئے، توریت میں ہے:

''اور یوسف اپنے باپ اسرائیل کے استقبال کے لیے جوشن کو چلا اور جب اس نے اسے دیکھا تو اس کے گلے سے لپٹا اور دیر تک روتا رہا۔''{۱۸۰}

﴿اٰبَوَیۡہِ﴾ حضرت کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا، ان کے انتقال کے بعد یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ سے شادی کر لی تھی، چونکہ خالہ پر بھی ماں کا اطلاق ہوتا ہے، اس لیے یہاں ''والدین'' کی تعبیر اختیار کی گئی{۱۸۱}، جبکہ

{۱۸۰} (عہد عتیق، تکوین باب ۴۶: ۲۹/ص ۵۸)

{۱۸۱} قال جمع من المفسرین ان المراد باٰبویہ ابوہ وخالتہ لانّ امّہ قدماتت قبل ذلک فتزوّج ابوہ خالتہ (المراغی ۱۳/۴۲)

ظاہرِ آیت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ زندہ تھیں اور مصر تشریف لائی تھیں۔{۱۸۲}

﴿۱۰۰﴾...... بہت بڑے ہجوم کے ساتھ مصر سے باہر نکل کر اپنے خاندان کا استقبال کرتے ہوئے آپ انہیں شہر میں لے کر آئے اور پھر اپنے والدین کا اکرام کرتے ہوئے آپ نے انہیں تخت پر بٹھایا، پھر یہ ہوا کہ یہ سب لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔

اللہ کے ماسوا کے سامنے انہوں نے سجدہ کیوں کیا؟ ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ پہلی امتوں میں غیر اللہ کے سامنے سجدۂ تعظیمی جائز تھا۔{۱۸۳}

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ نہیں تھا بلکہ محض زمین بوسی یا جھکاؤ تھا اور اس پر بھی سجدہ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔{۱۸۴}

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ اللہ کے سامنے تھا{۱۸۵} مگر اس کا سبب بنے تھے حضرت یوسف علیہ السلام! انہیں پا کر اور وہ بھی عزت کے ناقابلِ یقین مقام پر، سارے خاندان پر وارفتگی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ سب کے سب بے ساختہ سجدے میں گر پڑے۔

﴿یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ﴾ اس پُر اثر اور یادگار منظر کو دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام پکار اٹھے، اے میرے ابا! یہ ہے اس خواب کی تعبیر جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا، آج برسہا برس کے بعد اللہ نے اسے سچ کر دکھایا ہے۔

{۱۸۲} وظاهر الآية يدلّ على ان أمّه كانت لا تزال حيّة (المرجع السابق نفسه)
{۱۸۳} اراد وبذلك التعظيم ليوسف (جصّاص ۱۷۸/۳)، والسجود، وأصله الخضوع والتذلل، كان مباحا فی تلك الأزمنة (نظم الدّرر ۹۸/۴)
{۱۸۴} قد يسمّي التواضع سجودا وكان المراد ههنا التواضع (كبير ۱۸،۶/۵۱۱)
{۱۸۵} سجدوالله شكرا النعمة وجداله (كبير ۱۸،۶/۵۱۱)

﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِيْٓ﴾ یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ کا مقرب بندہ خوشی کے اس موقع پر اللہ کے احسانات بھول جاتا مگر اخلاقِ کریمانہ کی انتہا دیکھیے کہ کنویں سے جانے اور زندگی بچ جانے کی صورت میں جو بہت بڑا انعام ہوا تھا، اس کا ذکر تک نہیں کیا، مبادا بھائیوں کو سب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے، ذکر کیا تو جیل سے آزادی کا کیا جہاں سے آپ کے ظاہری عروج کا آغاز ہوا تھا۔ جیل سے رہائی بھی معمولی نعمت نہیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کے دروازے پر یہ جملے لکھ دیئے تھے:

﴿هذه منازل البلاء وتجربة الاصدقاء، وشماتة الاعداء، وقبور الاحياء﴾{۱۸۶}

''جیل خانہ آزمائشوں کا گھر، بچوں کی تجربہ گاہ، دشمنوں کی خوشی کا سامان اور زندوں کا قبرستان ہے۔''

کسی قیدی شاعر نے کہا تھا۔

خرجنا من الدنيا ونحن من أهلها ۔۔۔ فلسنا من الأحياء فيها ولا الموتى

اذا جاء السجّان يوما لحاجة ۔۔۔ عجبنا وقلنا: جاء هذا من الدنيا

''ہم جو کہ دنیا میں رہتے تھے وہاں سے نکل کر قید خانے میں آ گئے، اب ہمارا شمار نہ زندوں میں ہوتا ہے نہ مُردوں میں، ایک دن جیل کا داروغہ کسی کام سے آیا تو ہم نے بڑے تعجب سے کہا، ارے! اسے دیکھو یہ دنیا سے آ رہا ہے۔''

﴿مِنْ بَعْدِ أَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ﴾ بات بات پر اللہ کے انعامات کا تو ذکر ہے مگر ابتلاؤں اور پریشانیوں کا ذکر نہیں، کریم النفسی کی انتہا یہ ہے کہ بھائیوں کے حسد، مکر و فریب اور اقدامِ قتل کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا بلکہ شیطان پر ذمہ داری ڈال کر انہیں ایک طرح سے بری کر دیا۔

{۱۸۶} (تفسیر القاسمی ۹/۲۸۰)

﴿إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ﴾ لطیف کا معنی مہربان بھی ہے، دقیقہ رس اور باریک بین بھی، آسانی اور بھلائی کے اسباب مہیا کرنے والا اور خفیہ تدبیر کرنے والا بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اللطيف الذى يوصل اليک أربک فى رفق﴾{۱۸۷}

''لطیف وہ ذات ہے جو تمہاری ضروریات مہربانی سے پوری فرماتا ہے۔''

اور علامہ رازی فرماتے ہیں:

﴿فاذا اراد حصول شئى سهل اسبابه فحصل وان كان فى غاية البعد عن الحصول﴾{۱۸۸}

''جب وہ کسی کام کا ارادہ فرمالے تو اس کے اسباب مہیا فرمادیتا ہے اور وہ چیز بہرحال حاصل ہوکر رہتی ہے اگرچہ بظاہر اس کا حصول کتنا ہی مشکل معلوم ہوتا ہو۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ ہی اسم ''لطیف'' کی تجلیات کا مظہر ہے، بھائیوں نے ہلاکت کا ارادہ کیا اللہ نے بچالیا، زلیخا نے جیل میں بھیج کر گم کردینا چاہا اللہ نے شہرت اور عزت کے بامِ عروج تک پہنچادیا، بھائیوں نے باپ اور بیٹے میں جدائی کا پروگرام بنایا اللہ نے سارے خاندان کو ایک جگہ جمع فرمادیا۔

﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ حکیم وہ ذات ہے جس کا ہر قول اور فیصلہ حکمت اور انصاف پر مبنی ہے، وہ ہر چیز کو اس کی صحیح جگہ پر رکھتا ہے، اس کی تدبیریں مضبوط ہیں اور ان میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔

﴿الْعَلِيمُ﴾ وہ ایسی ذات ہے جسے ماضی، حال، مستقبل، دلوں کے اسرار، چیزوں کی حقیقت غرضیکہ ہر چھوٹی بڑی چیز کا تفصیلی علم ہے۔ایک نظر قصۂ یوسف علیہ السلام

{۱۸۷} (النهج الاسمى ۲۶۰/۱)

{۱۸۸} (کبیر ۵۱۴/۱۸،۶)

کے مدوجزر، بالخصوص آخری آیت کے مضمون پر ڈالیے اور پھر لطیف، حکیم اور علیم کے معانی میں غور کیجیے، کیسی حسین مناسبت ہے ان صفات اور بیان ہوتے قصّے کے درمیان! یہ مناسبت آپ کو پورے قرآن میں دکھائی دے گی۔ کبھی آیات کے خاتمہ اور مضمون میں تدبّر تو کیجیے!

﴿۱۰۱﴾...... جب آزمائش کا دور ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی مادی اور روحانی نعمتیں اپنے کمال کو پہنچ گئیں تو اللہ کے نبی نے محسنِ حقیقی کے سامنے ہاتھ اٹھا دیئے، پہلے انعاماتِ الٰہیہ کا اقرار کیا پھر اس کی حمد و ثناء کی، اس کے بعد درخواست کی کہ مجھے اسلام پر موت دینا اور مجھے اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا۔

حکمت و ہدایت:

۱...... اپنے خاندان خصوصاً والدین کے ساتھ محبت اور ان کا اکرام اور استقبال طبعی اور فطری چیز ہے۔ (۹۹)

۲...... امن اور بقدرِ ضرورت رزقِ حلال اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلدِ حرام والوں کے لیے امن اور رزق ہی کی دعا مانگی تھی، سورۂ قریش میں رب تعالیٰ نے قریشِ مکہ پر اپنے دو انعامات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، بھوک میں کھلانا اور خوف سے امن دینا۔

۳...... کسی دوسری مملکت میں داخل ہونے والے اجنبیوں کو ''تامین'' (امن اور تحفظ دینے کا رواج) جسے آج کل ویزا کہتے ہیں، قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، مگر حقیقی امن اللہ ہی کی طرف سے حاصل ہوتا ہے اس لیے اللہ کے نبی نے ''اِنْ شَآءَ اللّٰہُ'' کہنا ضروری سمجھا۔

۴...... گاؤں سے شہر میں منتقل ہونے کو بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں میں سے شمار کیا ہے چنانچہ اہلِ علم اسے بھی اللہ کی نعمت بتاتے ہیں، دیہاتی زندگی میں سہولیات کا فقدان ہوتا ہے، انسانی کمالات اور علم کے حصول کے مواقع بہت کم ہوتے ہیں، دیہات میں رہنے والوں کو مختلف قسم کی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایک حدیث میں ہے:

﴿من بدا جفا﴾{۱۸۹} ''جس نے گاؤں میں سکونت اختیار کی اس نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا۔''

دوسری حدیث میں ہے:

''ألا انّ القسوة وغلظ القلوب فی الفدادین''{۱۹۰} ''(چرواہوں کے مزاج میں شدّت اور قساوت ہوتی ہے۔''

۵......بعض مذاہب میں انسانوں کے سامنے سجدۂ تعظیمی جائز تھا مگر اسلام نے غیر اللہ کے لیے ہر قسم کے سجدے کو حرام کر دیا ہے، سجدہ تو دور کی بات ہے، اللہ کے ماسوا کے سامنے جھکنا بھی جائز نہیں۔(۱۰۰)

۶......سچے خوابوں کی تعبیر بھی بعض اوقات سالہا سال بعد وقوع پذیر ہوتی ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر چالیس سال بعد سامنے آئی، بعض نے اس سے بھی زیادہ مدت نقل کی ہے۔

۷......جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرمالے تو اس کی تکمیل کے اسباب خود مہیا فرما دیتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے خاندان کو جمع کرنے کا ارادہ فرمالیا تو اس کے اسباب خود ہی آسان فرما دیئے۔

{۱۸۹} (مسند احمد/رقم ۳۷۱)
{۱۹۰} (بخاری ۱، کتاب بدء الخلق/۴۶۶)

اثباتِ نبوّتِ محمد ﷺ

﴿۱۰۲......۱۰۸﴾

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ

یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تیرے پاس، اور تو نہیں تھا ان کے پاس جب وہ ٹھہرانے لگے اپنا کام اور فریب کرنے

یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْــَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ

لگے ○ اور اکثر لوگ نہیں ہیں یقین کرنے والے اگرچہ تو کتنا ہی چاہے ○ اور تو مانگتا نہیں ان سے اس پر کچھ بدلہ، یہ تو اور

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا

کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو ○ اور بہتیری نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر گزر ہوتا رہتا ہے ان کا اور وہ ان

وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ

پر دھیان نہیں کرتے ○ اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی شریک بھی کرتے ہیں ○ کیا نڈر ہو گئے اس سے

تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ

کہ آ ڈھانکے ان کو ایک آفت اللہ کے عذاب کی یا آ پہنچے قیامت اچانک اور ان کو خبر نہ ہو ○ کہہ دے!

هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا

یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے، اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں

مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۸﴾

شریک بتانے والوں میں ○

تسہیل: اے میرے پیغمبر! یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کے ذریعے آپ کو بتاتے ہیں اور آپ اس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب انہوں نے یوسف کو کنویں میں ڈالنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اور وہ اس بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے ○ لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں اگرچہ آپ ان کے ایمان کے کتنے ہی حریص کیوں نہ ہوں ○ اور آپ انہیں قرآن سنانے پر کچھ صلہ بھی تو نہیں مانگتے، یہ تو بس سارے جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے ○ اور آسمانوں اور

زمین میں اللہ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے مگر یہ ان کی طرف توجّہ ہی نہیں کرتے O اور ان کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں O کیا یہ لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کا ایسا عذاب آن پڑے جو ان پر چھا جائے یا ان پر اچانک قیامت آ جائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟ O اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیجیے، یہ میرا راستہ ہے، میں اور میری اتباع کرنے والے انسانوں کو اللہ کے دین کی طرف پوری بصیرت کے ساتھ بلاتے ہیں، اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں O

تفسیر

﴿۱۰۲﴾...... یہ جو عجیب و غریب اتار چڑھاؤ پر مشتمل قصّہ ہے یوسف علیہ السلام کا، جس کی ابتداء ہوئی خواب دیکھنے سے اور انتہا ہوئی مصر کی حکمرانی پر، یہ غیب کی ان خبروں میں سے تھا جن پر وحی کے بغیر نبی کریم ﷺ مطلع نہیں ہو سکتے تھے، اس لیے کہ نہ تو آپ نے کسی کتاب کا مطالعہ کیا تھا اور نہ ہی آپ مصر اور کنعان میں موجود تھے، ویسے تو آپ کسی بھی ایسی جگہ موجود نہ تھے جہاں اس قصّے کا کوئی جزء پیش آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں سے خاص طور پر اس موقع کی نفی فرمائی ہے جب برادرانِ یوسف آپ کو کنویں میں ڈالنے کی تدبیر کر رہے تھے، کیونکہ اس قصّے کی ابتداء یہیں سے ہوئی تھی، ویسے بھی یہ اس قصّے کا مخفی ترین حصّہ تھا، بھائیوں نے ہر قسم کی احتیاط ملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی خفیہ تدبیر سوچی تھی جس کا ان کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔{۱۹۱}

اس آیتِ کریمہ میں اگرچہ خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے مگر الزام ان لوگوں پر قائم کیا جا رہا ہے جو آپ کی نبوت کو جھٹلاتے تھے، اسی طرح اشارہ اس طرف بھی ہے

{۱۹۱} وإنما تخصيصه بالذكر لكونه مطلع القصة وأخفى أحوالها كما ينبيء عنه قوله تعالى: "وهم يمكرون" (ابوسعود ۳/۴۳۱)

کہ اصل قصہ وہی ہے جو قرآن میں ہے، باقی رہے اہلِ کتاب تو ان کے بیان کردہ واقعات کو قرآن کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھا جائے گا، جو کچھ اس کے مطابق ہوگا اسے لے لیا جائے گا اور جو کچھ اس کے خلاف ہوگا اسے ایجادِ بندہ سمجھ کر چھوڑ دیا جائے گا۔

﴿۱۰۳﴾......اے میرے حبیب! اگرچہ آپ نے پوری صحت کے ساتھ ایسا قصہ بیان کیا ہے جو آپ کی نبوت اور صداقت پر واضح دلیل ہے اور آپ کفار کے قبولِ ایمان کے شدید حریص بھی ہیں، پھر بھی آپ یہ توقع نہ رکھیں کہ ان کی اکثریت ایمان قبول کرلے گی۔

اس آیتِ کریمہ کا ماقبل سے ربط یہ بیان کیا گیا ہے کہ کفارِ قریش اور یہود کی ایک جماعت نے حضورِ اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا تھا کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو آپ ہمیں قصۂ یوسف سنائیں، آپ کا خیال تھا کہ شاید قصہ سن کر یہ ایمان لے آئیں مگر ان پر الٹا اثر ہوا اور وہ ضد وعناد میں پہلے سے بھی شدید ہوگئے۔

﴿۱۰۴﴾......حالانکہ ان کے پاس کفر وعناد کے لیے کوئی عذر بھی نہیں، اس لیے کہ قرآن مشتمل ہے وعظ وتذکیر اور حکمت ونصیحت پر اور آپ ان سے دعوت وارشاد پر کسی قسم کی اجرت بھی نہیں مانگتے، اگر یہ اپنے خیر خواہ ہوتے تو قبولِ ایمان میں ذرا بھی دیر نہ کرتے۔

﴿۱۰۵﴾......اگر یہ آپ کی نبوت کے دلائل کے بارے غور وفکر نہیں کرتے تو زیادہ تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ تو وہ بدنصیب ہیں جنہوں نے کبھی دلائلِ توحید کے بارے میں تدبر ہی نہیں کیا، حالانکہ توحید کے دلائل ارض وسما میں ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں، یہ سورج اور چاند، یہ ستارے اور سیارے، یہ باغات اور چشمے، یہ پہاڑ اور دریا، یہ باغات اور مختلف قسم کی نباتات، یہ رنگا رنگ پھول اور پھل سب اس کے وجود اور علم وقدرت کے دلائل ہیں۔

وفی کل شئی لہ آیۃ............ تدل علی انہ واحد

''اور ہر چیز میں کوئی نہ کوئی ایسی نشانی پائی جاتی ہے جو اس کے ''ایک'' ہونے پر دلالت کرتی ہے۔''

﴿۱۰۶﴾......مشرکین کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ ایک طرف وہ اللہ کے وجود کا اقرار کرتے ہیں دوسری طرف وہ کسی نہ کسی انداز میں شرک کا ارتکاب بھی کرتے ہیں، غیر اللہ کی ایسی تعظیم و تقدیس، عبادت و اطاعت اور عشق و محبت جو اللہ کا حق ہے، شرک ہے، اور صرف قریشِ مکہ ہی نہیں دنیا بھر کے مشرکین اس شرک میں مبتلا ہیں، جب یہ مشرک دوزخ میں اپنے معبودوں کے ساتھ جمع ہوں گے تو اپنی اس جہالت کا اقرار کریں گے:

﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾﴾ {۱۹۲}

''اللہ کی قسم! ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جب تمہیں رب العٰلمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔''

کتنا بڑا ستم ڈھاتے ہیں وہ لوگ، جو اس عظیم ہستی کے ساتھ، جو غنی اور مغنی، قادر اور مقتدر ہے، شریک ٹھہراتے ہیں ایسی چیزوں اور افراد کو جو فقیر اور محتاج، ضعیف اور فانی ہیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے، یونہی ریا اور دکھاوا بھی شرک ہے، اسے شرکِ خفی اور شرکِ اصغر کہا گیا ہے، حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿ان اخوف ما أخاف علیکم الشرک الأصغر! قالوا: وما الشرک الأصغر یارسول اللہ؟ قال: ''الریاء!''﴾ {۱۹۳}

''مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ شرکِ اصغر کا خوف ہے، سوال کیا گیا یارسول اللہ! شرکِ اصغر کیا ہے؟ فرمایا، ریا!''

{۱۹۲} الشعراء ۹۸/۲۶-۹۹)

{۱۹۳} (مسند احمد ۴۲۹/۵)

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

﴿قال رسول الله ﷺ: يقول الله أنا أغنى الشركاء عن الشرك، من عمل عملا أشرك فيه معي غيري تركته وشركه﴾{۱۹۴}

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمام شریکوں سے زیادہ شرک سے بیزار ہوں، جو کوئی ایسا عمل کرے گا جس میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرے گا، میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دوں گا۔''

مختصر یہ کہ بہت سارے مشرک ایسے ہیں جو بعض چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور بے شمار مومن ایسے ہیں جو کسی نہ کسی انداز میں شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔

آپ نے یقیناً ایسے لوگ دیکھے ہوں گے جو قبروں پر سجدے کرتے، ان پر چڑھاوے چڑھاتے اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں، نجومیوں، کاہنوں، پیروں، فقیروں اور پیشہ ور عاملوں کے پاس جاتے اور ان سے اپنے مسائل کے حل کی امیدیں رکھتے ہیں، عام حالات میں بھی اللہ کو پکارنے کے بجائے انہیں نبیوں اور ولیوں کو پکارنے میں زیادہ سکون محسوس ہوتا ہے جبکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم مومن بھی ہیں اور موحد بھی!

﴿۱۰۷﴾......مشرکوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جائیں، اللہ کا عذاب ان پر دن اور رات میں کسی بھی وقت آ سکتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے اور انہیں خبر ہی نہ ہو۔

یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ آیا ہے مثلاً سورۂ اعراف میں ہے:

''کیا یہ بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آ پڑے جبکہ وہ سو رہے ہوں؟ کیا یہ بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے

{۱۹۴}(مسلم ۔ کتاب الزہد/۲۱۱)

ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آ پڑے جبکہ وہ کھیل کود میں لگے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ حالانکہ اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہوں۔'' {۱۹۵}

﴿۱۰۸﴾...... اللہ اپنے نبی سے کہلوا رہے ہیں کہ لوگوں کو بتا دیجیے کہ میرا اور میرے متبعین کا راستہ اور مسلک ایمان اور توحید کی دعوت کا راستہ ہے مگر یہ دعوت خالی خولی لفاظی اور کورانہ تقلید پر مبنی نہیں ہے بلکہ بصیرت اور عقل وحکمت کا ثمرہ ہے، مجھے اور میرے متبعین کو اپنی دعوت کی سچائی پر یقین ہے۔

ویسے تو ''متبعین'' کے عموم میں ہر وہ خوش نصیب آ جاتا ہے جو دعوت جیسے عظیم عمل میں مشغول ہے مگر اس کے اولین مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جنہوں نے وراثتِ نبوی اور دعوتِ دین کا حق ادا کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اس امت کے بہترین افراد ہیں جن کے قلوب پاک اور علم گہرا ہے، تکلف کا ان میں نام نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول کی صحبت وخدمت کے لیے منتخب فرمالیا ہے، تم انہی کے اخلاق وعادات اور طریقوں کو سیکھو کیونکہ وہی سیدھے راستہ پر ہیں۔'' {۱۹۶}

﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ چونکہ اوپر یہ ذکر آیا تھا کہ بعض لوگ ایمان کو شرک کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں، اس لیے آپ نے شرک سے اپنی برأت کا اعلان فرمایا۔

حکمت وہدایت:

۱...... کسی کتاب کے مطالعہ اور کسی استاد سے استفادہ کے بغیر سابقہ انبیاء کے واقعات

{۱۹۵} (الأعراف ۷/۹۷-۹۹)
{۱۹۶} (البغوی بحوالہ المراغی ۱۳/۵۲-۵۳)

صحت اور صداقت کے ساتھ بیان کردینا سرورِ دوعالم ﷺ کی نبوت پر واضح اور قطعی دلیل ہے۔(۱۰۲)

۲......انسانوں کی اکثریت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اطلاع یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے لہٰذا اعیانِ دین کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

۳......حضراتِ انبیاء اپنی امت کی ہلاکت کے نہیں، ہدایت کے شدید حریص ہوتے ہیں، اس سے ان شدّت پسند داعیوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو اپنے مخالفین کی ہدایت سے زیادہ ان کی ہلاکت اور بربادی کی دعائیں مانگتے ہیں۔(۱۰۳)

۴......دین کی دعوت مفت ہونی چاہیے، داعی کی اجرت اللہ کے ذمہ ہوتی ہے، ہر پیغمبر نے اپنی امت سے یہی کہا کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت اللہ کے ذمّہ ہے۔(۱۰۳)

۵......قرآن صرف اہلِ عرب کے لیے نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔(۱۰۴)

۶......آیاتِ الٰہیہ سے غفلت اور ان میں عدمِ تفکر اللہ کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے۔(۱۰۵) تعجب ہوتا ہے جب ہم ان سطحیت پسندوں کے خیالات پڑھتے اور سنتے ہیں جو غور و تدبر کو گمراہی کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں اور مغز غیروں کے سامنے پھینک کر خود ہڈیوں پر گزارہ کرتے ہیں۔

۷......انسانوں میں سے بے شمار ایسے ہیں جو اللہ کو خالق، رازق اور مدبّر تسلیم کرنے کے باوجود بعض صفات اور عبادات میں مخلوق کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔(۱۰۶) خود مشرکینِ عرب کا بھی یہی حال تھا، وہ حج میں یوں تلبیہ پڑھا کرتے تھے:

﴿لبیک لا شــریک لک الا شــریکا هو لک تملکه وما ملک﴾{۱۹۷} ''میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے تیرے اس شریک کے کہ تو اس کا اور اس کی ملکیت میں آنے والی چیزوں کا مالک ہے۔''

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ منافقین کے بارے میں ہے، جو زبان سے تو ایمان کے دعوے کرتے تھے مگر ان کے دلوں میں کفر اور شرک تھا۔

۸......نبی اکرم ﷺ اور آپ کے متبعین کا طریقہ اور سنت پورے یقین اور شرحِ صدر کے ساتھ ''دعوت الی اللہ'' ہے، جو خوش نصیب اس میدان میں اپنی صلاحیتیں لگائے ہوئے ہیں، وہ کارِ نبوت میں مصروف ہیں۔

قرآنی قصص سے عبرت

﴿۱۰۹......۱۱۱﴾

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰىؕ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ

اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے وہ سب مرد ہی تھے کہ وحی بھیجتے تھے ہم ان کو بستیوں کے رہنے والے، سو کیا ان لوگوں نے

فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْاؕ اَفَلَا

نہیں سیر کی ملک کی کہ دیکھ لیتے کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے؟ اور آخرت کا گھر تو بہتر ہے پرہیز کرنے

تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۹ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَیْــٴَـسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَاۙ فَنُجِّیَ

والوں کو کیا اب بھی نہیں سمجھتے؟ ۝ یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا

مَنْ نَّشَآءُؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝۱۱۰ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی

پہنچی ان کو ہماری مدد، پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا اور پھرتا نہیں عذاب ہمارا قوم گناہ گار سے ۝ البتہ ان کے احوال سے اپنا

الْاَلْبَابِؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ

حال قیاس کرنا ہے عقل والوں کو کچھ بنائی ہوئی بات نہیں لیکن موافق ہے اس کلام کے جو اس سے پہلے ہے اور بیان ہر چیز

تَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۱

کا اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں ۝

{۱۹۷} (مسلم ۱، کتاب الحج/۳۷۶)

ربط: رسولِ اکرم ﷺ کا سیّدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ پوری صحت اور تفصیل سے بیان کر دینا آپ کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے، اثباتِ نبوت کے بعد ان لوگوں کی تردید ہے جو مختلف اعتراضات کرتے تھے، ان میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر رسول بھیجنے کی واقعی ضرورت ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا، ایک انسان نبی کیسے بن گیا؟ اسی طرح وہ بار بار یہ بھی کہتے تھے کہ اے محمد! (ﷺ) اگر آپ واقعی سچے رسول ہیں تو آپ ہم پر اللہ کا عذاب کیوں نہیں لے آتے؟ اس عجلت پسندی کا جواب بھی یہاں دیا گیا ہے۔

تسہیل: ہم نے آپ سے پہلے جتنے نبی انبیاء بھیجے وہ سب آدمی تھے، کیا یہ لوگ اللہ کی زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں، ان کا انجام کیا ہوا؟ البتہ آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے جو تقوٰی والی زندگی بسر کرتے ہیں، کیا تم ان حقائق کو سمجھتے نہیں ہو؟○ جیسے آج کے کفّار کو مہلت دی گئی ہے یونہی ماضی کے کفّار کو بھی مہلت دی گئی تھی، یہاں تک کہ جب اللہ کے نبی ان پر عذاب کے آنے سے مایوس ہونے لگے اور انہیں خیال آنے لگا کہ کہیں عذابِ الٰہی کا وقت سمجھنے میں ہم سے غلطی تو نہیں ہوگئی تو مایوسی کے اس عالم میں ہماری مدد آ گئی، پھر جسے چاہا ہم نے بچالیا لیکن مجرموں کو ہمارے عذاب سے کوئی نہیں بچاسکتا○ عقلِ سلیم والوں کے لیے ان کے قصوں میں بڑی عبرت ہے، یہ قرآن کسی انسان کا خودساختہ کلام نہیں ہے بلکہ یہ ان کتابوں کے موافق ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں، اس میں ہر ضروری چیز کی تفصیل ہے اور یہ ایمان والوں کے لیے رحمت اور ہدایت کا ذریعہ ہے○

﴿تفسیر﴾

﴿۱۰۹﴾...... تاریخِ نبوت اور سیرتِ انبیاء پر نظر ڈالنے سے دو حقیقتیں سامنے آتی ہیں، ایک تو یہ کہ جتنے بھی انبیاء آئے وہ سب مرد تھے، نہ وہ فرشتے تھے اور نہ ہی عورتیں، اگرچہ بعض حضرات حضرت سارہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم (سلامٌ علیھن) کی نبوت کے قائل ہیں اور اپنے اس دعوٰی پر وہ بعض آیات سے استدلال کرتے ہیں مگر جمہور علماء نے ان کے دعوٰی کو مرجوح اور دلائل کو کمزور قرار دیا ہے۔{۱۹۸}

دوسری حقیقت جو اہلِ علم نے بیان کی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام انبیاء شہروں میں مبعوث ہوئے، اس لیے کہ عام طور پر دیہاتیوں کی طبیعت پر جہالت اور شدت کا غلبہ ہوتا ہے{۱۹۹} جبکہ ان کے مقابلے میں شہری نرم مزاج اور علم دوست ہوتے ہیں، قرآنِ کریم میں ہے:

﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ﴾{۲۰۰}

”ان منافقوں میں جو دیہاتی ہیں، وہ کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور ان کے معاملے میں اس امر کا زیادہ امکان ہے کہ انہیں ان احکام کا علم ہی نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں۔“

طبائع کے اختلاف کے علاوہ ایک امر یہ بھی ہے کہ شہروں کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے، جس دعوت اور تحریک کا آغاز کسی بڑے شہر سے ہوتا ہے، اس کے اثرات بہت جلد دور دور تک پہنچ جاتے ہیں جبکہ دیہات سے اٹھنے والی آواز بسا اوقات نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہوتی ہے، کھیت کھلیانوں اور وادیوں سے اٹھ کر وہیں گم ہو جاتی ہے۔

{۱۹۸} (ابن کثیر ۲/۶۴۴-۶۴۵)
{۱۹۹} أهل البوادى الّذين هم من أجفى الناس طباعًا واخلاقا (حوالہ مذکورہ)
{۲۰۰} (التوبة ۹/۹۷)

﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ قرآن بار بار گزشتہ اقوام وملل کے حالات اور انجام کے مطالعہ کی ترغیب دیتا ہے اور نافرمان قوموں کو سمجھاتا ہے کہ اللہ نے اپنا قانونِ جزاو سزا نہیں بدلا، اگر حضرت نوح، ھود، صالح اور لوط علیہم السلام کی قوموں کو ضد عناد اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیا گیا تھا تو تمہیں بھی ان بیماریوں کی وجہ سے ہلاکت ہی کا سامنا کرنا پڑے گا، ایسا نہیں ہوسکتا کہ انہیں تو ہلاک کیا جائے اور تم پر انعامات کی بارش ہو۔

﴿۱۱۰﴾......اسے قرآنِ کریم کی مشکل آیات میں سے شمار کیا جاتا ہے، وجہِ اشکال یہ ہے کہ اگر "ظنّوا" اور "کذبوا" کی ضمیر "رسل" کی طرف لوٹائی جائے تو بظاہر معنی یہ بنتا ہے کہ انبیاء نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا یا اللہ کی طرف سے معاذ اللہ! ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا، حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شان سے یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں ایسا گمان رکھیں، اس اشکال سے بچنے کے لیے مختلف طریقوں سے تفسیر کی گئی ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جو تفسیر کی ہے وہ بے تکلف بھی ہے اور آسان بھی، اس کا حاصل یہ ہے کہ جب نافرمان قوموں کو طویل مہلتیں دی گئیں تو انبیائے کرام ان پر عذاب آنے سے مایوس ہوگئے، اللہ کے بارے میں تو وہ یہ بدگمانی نہیں کرسکتے تھے کہ اللہ نے وعدہ خلافی کی ہے، سو انہوں نے اپنے بارے میں یہ سوچا کہ اللہ نے مسلسل نافرمانی کی صورت میں قوم پر عذاب بھیجنے کا جو وعدہ کیا تھا، اس کے وقت کی تعیین میں ہم سے غلطی ہوگئی، اللہ نے تو کوئی وقت متعین نہیں کیا تھا ہم نے ہی اپنے طور پر وقت متعین کرلیا۔{۲۰۱}

یہاں یہ اعتراض بہت کمزور ہے کہ انبیاء سے غلطی کیسے ہوگئی، کیونکہ انبیاء سے اجتہادی غلطی کا ہونا تسلیم شدہ چیز ہے، البتہ انبیاء اور دوسرے مجتہدین میں فرق یہ ہے

{۲۰۱} (بیان القرآن حصہ اوّل، جلد۵/۱۰۲)

کہ انبیاء کو غلطی پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا بلکہ انہیں باخبر کر کے ان پر حقیقت کھول دی جاتی ہے جبکہ عام مجتہدین کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ "ظنوا" اور "کذبوا" کی ضمیر قوم کی طرف لوٹائی جائے جیسا کہ حضرت ابنِ مسعود اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے{۲۰۲} اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جب رسول اپنی قوم کے قبولِ ایمان سے مایوس ہو گئے اور قوم نے یہ گمان کرلیا کہ یہ انبیاء ہمیں اللہ کے عذاب سے جو ڈراتے تھے وہ جھوٹی باتیں تھیں تو اس موقع پر اللہ کا عذاب آ گیا۔

یہ تقریر اس صورت میں جبکہ "کذبو" کو ذال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے اور اگر اسے تشدید کے ساتھ پڑھا جائے تو بھی دو مفہوم بن سکتے ہیں۔

پہلا یہ کہ ظن کو یقین کے معنی میں لیا جائے، مطلب یہ ہوگا کہ جب رسولوں کو یقین ہو گیا کہ ان کی امتوں نے انہیں مکمل طور پر جھٹلا دیا ہے اور اب ان سے ایمان لانے کی توقع نہیں کی جاسکتی تو انہوں نے اللہ سے ان سڑے ہوئے اعضاء کی تباہی کی دعا مانگی چنانچہ انہیں تباہ کر دیا گیا۔

دوسرا مفہوم وہ ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، وہ یہ کہ جب سرکش قوم کی ضد اور عناد کے باوجود عذاب نہ آیا اور ایمان لانے والے سوال اٹھانے لگے "متٰی نصر اللہ" (اللہ کی مدد کب آئے گی؟) تو رسولوں کو یہ گمان پریشان کرنے لگا کہ کہیں ایمان لانے والے بھی ہمیں جھوٹا نہ سمجھ لیں۔{۲۰۳}

﴿۱۱۱﴾......حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہو یا دیگر انبیاء کے قصے، یہ محض دفع الوقتی، تحیّر خیزی اور داستان گوئی کے طور پر بیان نہیں کیے جاتے بلکہ ان کا مقصد عبرت

{۲۰۲} (قرطبی ۹/۲۳۵)
{۲۰۳} فظنّ الرّسل انّ الّذین اٰمنوا بهم کذبوهم (کبیر ۶،۱۸/۵۲۱)

ونصیحت اور ہدایت ہوتا ہے، ان قصوں کے آئینے میں ہر قوم اپنا چہرہ دیکھ سکتی ہے، فرمانبردار بھی اور نافرمان بھی، ظالم وسرکش بھی اور عادل ومنکسر مزاج بھی۔

﴿لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ مگر ان قصوں سے نصیحت صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں، "الباب" لُب کی جمع ہے اور "لُب" صرف اس عقل کو کہا جاتا ہے جو کھوٹ سے پاک ہو،{۲۰۴} جس پر نفسیاتی خواہشات اور قومی تعصبات اثرانداز نہ ہوں، بعض حضرات اسے عقلِ معاد سے بھی تعبیر کرتے ہیں، حصولِ ہدایت کے لیے عقلِ معاش کافی نہیں، عقلِ معاد ضروری ہے، آخرت کی فکر رکھنے والے ہر آیت، ہر حدیث اور ہر قصہ سے شاہراہِ حیات پر چلنے کے لیے چراغ تلاش کر لیتے ہیں جبکہ اپنی سوچ دنیا اور کسبِ معاش تک محدود رکھنے والوں کو پورے قرآن میں پہلوں کے قصوں اور کہانیوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔

﴿مَا كَانَ حَدِيثًا﴾ یہ قرآن کوئی ایسا کلام نہیں ہے جسے کسی انسان نے خود گھڑ لیا ہو، اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ وہ کلام جو تحقیق کے ہر معیار پر پورا اترتا ہو اور اس کے مضامین نہ صرف یہ کہ پہلی آسمانی کتابوں کے موافق ہوں بلکہ ان کے صحیح اور غلط میں فرق بھی کرتے ہوں، اسے ایک اُمّی انسان نے گھر بیٹھے خود ہی گھڑ لیا ہو۔

﴿وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اور اس قرآن میں ہر اس چیز کی تفصیل ہے جس کی انسان کو ضرورت پڑتی ہے رضائے الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے، خواہ اس کا تعلق عبادات اور معاملات سے ہو یا اخلاق اور معاشرت سے ہو۔

﴿وَهُدًى وَرَحْمَةً﴾ اور یہ ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لیے...... قرآن تو سارے انسانوں کے لیے ہدایت ہے خواہ کافر ہوں یا مومن، مگر اس سے فائدہ صرف ایمان والے ہی اٹھاتے ہیں، کافروں کے لیے یہ ہدایت اور رحمت

{۲۰۴} "اللّبّ" العقل الخالص من الشوائب (مفردات/۴۴۶)

کے بجائے ضلالت اور زحمت کا سبب بن جاتا ہے۔

حکمت و ہدایت:

۱......انبیاء ہمیشہ مردوں میں سے ہوئے ہیں، نہ ان میں کوئی عورت تھی نہ جن نہ فرشتہ۔(۱۰۹)

۲......بہت سی مصلحتوں کی بناء پر انبیاء شہروں میں آتے ہیں (۱۰۹) انہی مصلحتوں کی وجہ سے بڑے علمی اور اصلاحی مراکز بھی شہروں میں ہوتے ہیں۔

۳...... ہر صاحبِ نظر و فکر پر لازم ہے کہ تباہ شدہ اقوام کے حالات اور انجام پر غور و فکر کرے اور عبرت حاصل کرے۔(۱۰۹)

۴......اجتہادی خطا انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے۔(۱۱۰)

۵......نافرمانوں کو مہلت دینا اور اپنے اولیاء کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی قدیم سنّت ہے۔(۱۱۰)

۶......ظاہری حالات سے گھبرا جانا ایمان اور تقویٰ کے منافی نہیں ہے۔(۱۱۰)

۷......اللہ والوں کے دل میں بھی غیر اختیاری وساوس آ جاتے ہیں۔(۱۱۰)

۸......اقوامِ عالم کے مدّ و جزر، عروج و زوال اور ہلاکت و بقاء میں عبرت کا بڑا سامان ہے، مگر ان کے لیے جو تعصّبات سے پاک دل اور دماغ رکھتے ہیں۔(۱۱۱)

۹......قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا اس میں کوئی دخل نہیں اور نہ ہی اس کی مثل کوئی بنا سکتا ہے۔(۱۱۱)

۱۰......قرآن مجید پہلی کتابوں کا مصدِّق بھی ہے اور ان کے مضامین کا محافظ بھی ہے۔(۱۱۱)

۱۱......دین اور دنیا کے معاملات کی اصلاح اور اللہ کی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے جن احکام اور ہدایات کی ضرورت ہے، وہ سب قرآن میں ہیں۔(۱۱۱)

۱۲......آخری آیت میں قرآنِ کریم کی جو پانچ صفات مذکور ہیں، اگر ان کی روشنی میں

قصۂ یوسف علیہ السلام کا جائزہ لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ:

(۱)......اس قصّہ میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔

(۲)......حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے یہ قصّہ خود نہیں گھڑ لیا کیونکہ آپ نے نہ تو کوئی کتاب پڑھی تھی نہ کسی کا تلمذ اختیار کیا، نہ اہلِ علم کی صحبت میں بیٹھے اور نہ ہی زندگی بھر آپ پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کیا گیا۔

پھر حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اس قصّے کے کسی جزء کا تعارض توراۃ اور انجیل سے نہیں ہے۔

(۳)......حضرت یوسف علیہ السلام کا جو معاملہ اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ پیش آیا اسے پوری تفصیل کے ساتھ قرآن نے بیان کیا ہے۔

(۴)......یہ قصّہ دنیا میں ہدایت کا سبب ہے۔

(۵)......اس ہدایت پر عمل آخرت میں اہلِ ایمان کے لیے حصولِ رحمت کا سبب ہوگا۔